بسم اللہ الرحمن الرحیم

پروفیسر علی محسن صدیقی ☆

طلوعِ آفتابِ رسالت

﴿سیرتِ طیبہ بعثت سے ہجرت تک﴾

﴿۲﴾

۳۔ علانیہ تبلیغ اور کفار کے مظالم

علانیہ تبلیغ :

ابتدائی تبلیغ کے تین سالوں کے بعد اللہ نے آنحضرت ﷺ کو اعلان دعوت کا حکم دیا فرمایا گیا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ (۱)

آپ کو جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے اسے صاف صاف کہہ دیجئے ،اور مشرکین کی پروا نہ کیجئے، ہم ان مذاق اڑانے والوں کو آپ (ﷺ) کی جانب سے خبر لینے کے لئے کافی ہیں، جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہراتے ہیں، عنقریب انھیں معلوم ہو جائے گا۔

نیز یہ بھی حکم ہوا کہ رسالت و تبلیغ کا آغاز اپنے قرابت داروں سے کیا جائے ،اس لئے فرمایا گیا:

☆ سابق استاد شعبہ معارف اسلامی و تاریخ اسلام، جامعہ کراچی، کراچی

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَ قْرَبِيْنَO وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O(۲)

آپ (ﷺ) اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب سے ڈرایئے، اور ایمان لانے والے جو لوگ آپ کی پیروی کریں ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے۔(۳)

کوہِ صفا کا وعظ:

اس حکم خداوندی کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنی قوم کو پکارا، جب قریش کی تمام ذیلی شاخیں (بطون) جمع ہو گئیں تو آپ نے فرمایا: ''اے معشر قریش! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے تم پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک بڑا لشکر آ رہا ہے، تو کیا تم کو اس بات کا یقین آئے گا؟'' سب نے ایک آواز ہو کر کہا: ''ہاں! کیوں کہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے''، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا، اپنے کو اس کی گرفت سے بچانے کی فکر کرو، میں اللہ کے مقابلے میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا، قیامت میں میرے رشتہ دار صرف متقی ہوں گے، ایسا نہ ہو کہ دوسرے لوگ نیک اعمال لے کر آئیں اور تم دنیا کا وبال سر پر اٹھائے ہوئے آؤ، اس وقت تم لوگ مجھے پکارو گے، لیکن میں مجبور ہوں گا۔ البتہ دنیا میں میرا تمہارا خون کا رشتہ ہے، اور یہاں میں تمہارے ساتھ ہر طرح کی صلہ رحمی کروں گا''۔

یہ سن کر سرداران قریش سخت برہم ہوئے، ابولہب ان میں پیش پیش تھا اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، (۴) اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب، بنو مطلب اور بنو عبد مناف کو اپنے ہاں مدعو کر کے ان سب کو شرک سے اجتناب، بت پرستی سے کنارہ کشی اور توحید کی تلقین فرما کر عذاب الٰہی سے ڈرایا، مگر یہاں بھی ابولہب آڑے آیا، اس نے برہم ہو کر کہا ''یہ تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی موجود ہیں، جو کچھ چاہو کہو لیکن دین سے پھر جانے کی بات نہ کہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہاری قوم تمام عرب سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتی، میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنے خاندان والوں پر اس سے سخت آفت لایا ہو جو تم لے آئے ہو''۔ اس طرح ابولہب نے اس نشست کو خراب کر دیا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے، دوسرے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنے اہل خاندان کو جمع کیا اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، ابوطالب نے کہا ''میں عبدالمطلب کے دین کو تو نہیں چھوڑ سکتا، مگر جس کام

کا تم کو حکم دیا گیا ہے، اسے کرو میں تمہاری حمایت کروں گا"۔ ابولہب نے پھر مخالفت کی مگر ابو طالب پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یوں علانیہ تبلیغ کا آغاز کوہ صفا کے وعظ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر بلائی گئی دو محفلوں سے ہوا اور اس کے ساتھ ہی کفار قریش کی تعذیب و تکذیب کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ (۵)

حرم میں نماز کی ادائیگی:

علانیہ تبلیغ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پابندی سے حرم میں نماز پڑھنی شروع کر دی اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی دوسرے مسلمانوں نے بھی صحن حرم میں نماز ادا کرنے کا آغاز کر دیا، کفار قریش کو اس سے بڑی ہی پیدا ہوئی اور انہوں نے اسے روکنے کی ہر ممکن تدبیر کی، ان مخالفین میں ابو جہل سب سے پیش پیش تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے سختی سے منع کیا اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس نے آپ ﷺ کو نماز ادا کرتے دیکھا تو نعوذ باللہ آپ کی گردن کو اپنے ناپاک پاؤں سے روند ڈالے گا، چنانچہ اس نے کئی بار یہ ناپاک جسارت کرنے کی کوشش کی مگر ہر بار جلال نبوت و حفاظت خداوندی اس کے آڑے آئی اور وہ ڈر کر آپ ﷺ کے سامنے سے ہٹ گیا، اس واقعے کا ذکر سورۃ العلق میں یوں کیا گیا ہے:

اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰیٓ O اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی O اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی O اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی O کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ O نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ O فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ O سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ O کَلَّا ؕ لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ O (۶)

تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہو، تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ (بندہ) راہ راست پر ہو یا پرہیز گاری کی تلقین کرتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر (یہ منع کرنے والا شخص حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ ہرگز نہیں، اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے کھینچیں گے، اس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطا کار ہے، وہ بلا لے اپنے حامیوں کی ٹولی کو، ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے، ہرگز نہیں، اس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔ (۷)

مگر حرم کعبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا نماز ادا کرنا، کفار مکہ کو سخت ناگوار تھا

اوروہ اسے اپنے اقتدار و اجارہ داری کی توہین خیال کرتے تھے، اس لئے انہوں نے نہایت شدومد سے اس کی مخالفت کی اور نماز کے دوران میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک کیا، چنانچہ ایک ایسے ہی واقعے میں ایک صحابی حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ آپ کو بچاتے ہوئے شہید ہوگئے، اسی طرح ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں دیکھ کر ابوجہل نے عقبہ بن ابی معیط کو اشارہ کیا اور اس نے آپ ﷺ پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈال دی، غرض ایک جانب اللہ کی توحید کے داعی سرفروشانہ حق کی حمایت میں سینہ سپر تھے، تو دوسری جانب شرک وکفر کے حامی ظلم وستم کے ہر ہتھکنڈے استعمال کر کے حق کی اشاعت کو روک رہے تھے۔(۸)

قریش مکہ نے اسلام کی مخالفت کیوں کی:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریش مکہ نے اسلام اور اہل اسلام کی اس شدومد سے کیوں مخالفت کی اور تہذیب وشائستگی کی ہر حد کو وہ کیوں پھلانگ گئے، حالانکہ عرب کی سرزمین بے آئین میں بھی انہوں نے ایک ضابطۂ اخلاق و دستورِ شائستگی قائم کر رکھا تھا، اور جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے حلف الفضول اور شہری اشرافیہ کے ذریعے ان کے ہاں ایک طریقۂ داد رسی اور اختلافات کو دور کرنے کا ایک قانون موجود تھا۔ جن کے مطابق ہر متنازعہ فیہ مسئلہ افہام وتفہیم سے حل کیا جاسکتا تھا، ہم سطور ذیل میں ان اسباب کا جائزہ لیں گے جن کے باعث قریش نے اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا اور جو کچھ وہ کرسکتے تھے، انہوں نے بے دریغ کیا اور اپنے ہی بنائے ہوئے داد رسی ورفع نزاع کے اصول درہم برہم کر کے رکھ دیئے، جس سے خود ان مصنوعی اصولوں کی بے حقیقتی عیاں ہوجاتی ہے:

پہلا سبب:

قریش مکہ مشرک اور بت پرست تھے، وہ اللہ کو برائے نام مانتے تھے اور اپنے گھڑے ہوئے بتوں کو ان کا شریک بلکہ شریک غالب ٹھہراتے تھے، کائنات کے درو بست میں، حیات وموت میں، نفع و نقصان میں ان معبودان باطل کو بڑا عمل دخل تھا، وہ اللہ کے ہاں مقبول وبرگزیدہ تھے ان کی سفارش اللہ سنتا اور قبول کرتا تھا، ان اصنام واوثان کے حق میں قریش کو بڑا غلو اور ان کی عقیدت میں نہایت مبالغہ تھا، وہ ان کے حضور سربسجود ہوتے اور نہایت قیمتی چڑھاوے چڑھاتے تھے، بت کدوں کی آرائش وزیبائش پر اپنی آمدنی کا معتدبہ حصہ صرف کرتے تھے اور انھیں حد درجہ مقدس ومحترم خیال کرتے تھے، جناب رسول

not

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے ساتھ جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا، وہ شرک کی مخالفت، توحید کی اشاعت اور بت پرستی کی برائی تھی، چنانچہ جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے، اس دور کی بیشتر آیات وسور میں توحید کی تلقین، شرک کی ممانعت اور بت پرستی کی مخالفت کی گئی ہے، مثلاً فرمایا گیا:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ (۹)

اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو، اللہ ہی عبادت کے لائق ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (۱۰)

کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔

اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝ (۱۱)

بیشک میں اللہ کو پکارتا ہوں، جو میرا رب ہے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا۔

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (۱۲)

کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

سورۃ الشوریٰ کی یہ آیت مشرکین کی زبردست برہمی اور مخالفت کی کیفیت بیان کر رہی ہے کہ:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۔ (۱۳)

آپ ﷺ ان لوگوں کو جس (توحید خداوندی) کی دعوت دے رہے ہیں وہ ان مشرکین کو بہت ناگوار گزرتی ہے۔

اسی بنا پر مشرکین کے جو وفود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے انہوں نے آپ ﷺ سے یہی مطالبہ کیا کہ ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں، اور آپ ﷺ سے مایوس ہونے کے بعد انہوں نے آپ کے چچا اور بنو ہاشم کے سردار ابو طالب سے بھی یہی کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کی برائی کی، ہمارے دین میں عیب نکالا اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ ٹھہرایا۔ قریش کی اس شکایت کی بہت سی مثالیں واقعات قبل ہجرت میں ملیں گی اس بنا پر یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ قریش مکہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی سختی سے مخالفت کی اس کی ایک بڑی وجہ یہی شرک سے اجتناب، بت پرستی سے کنارہ کشی اور توحید باری کی تلقین تھی، اس سلسلے میں حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو قریش اس بات کے معترف تھے کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے مگر ان کے بت اللہ کے مقرب و برگزیدہ ہیں اور کاروبار کائنات

میں اس کے شریک وسہیم ہیں، مگر جب اللہ کا ذکر ہوتا تو ان کے دل کڑھنے لگتے اور وہ سخت برہم ہوتے تھے، سورۃ الزمر کی آیت ۴۵ میں ان کی اسی ذہنی کیفیت کا ذکر ہے، اس کے علاوہ اللہ اور اصنام میں بھی وہ تفریق کرتے تھے اور اللہ کے حصے میں سے بتوں کو حصہ دار ٹھہراتے مگر بتوں کے لئے مخصوص حصوں میں سے اللہ کا کوئی حصہ نہ مانتے تھے، قرآن کی سورۃ الانعام، آیت ۱۳۶ میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے، قصہ مختصر کفار قریش نے جو اسلام اور مسلمانوں کی بڑی شدومد سے مخالفت کی اس کی ایک وجہ شرک کی برائی، بتوں کی بے حقیقتی اور ان کی بے اصلی کی اسلامی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ تھے۔(۱۴)

دوسرا سبب:

قریش کی مخالفت کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ خانۂ کعبہ کے متولی تھے، خانۂ کعبہ کو عرب میں جو مذہبی تقدس حاصل تھا اس کی وجہ سے قریش کو "جیران اللہ" (اللہ کے ہم سائے) کہا جاتا تھا اور وہ عربوں کے مذہبی قائد و رہنما سمجھے جاتے تھے انھیں مناسک حج کی ادائیگی، حجاج کی مہمانی اور انتظامات حج کے ضمن میں خصوصی و نمایاں حیثیت حاصل تھی، قریش نے اپنے کو دوسرے حاجیوں سے نمایاں کرنے کی غرض سے حج کے دوران عرفہ جانا چھوڑ دیا تھا، اور وہاں سے افاضہ بھی نہ کرتے تھے صرف مزدلفہ تک جا کر پلٹ آتے تھے، اسی طرح انہوں نے یہ امتیاز بھی قائم کر رکھا تھا کہ باہر سے حج یا عمرے کے لئے آنے والا شخص نہ تو باہر سے لایا ہوا کھانا کھا سکتا تھا اور نہ باہر کے کپڑوں میں طواف کر سکتا تھا۔ اس کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ کھانا حرم کا کھائے اگر حرم کا کپڑا نہ ملے تو برہنہ طواف کرے، اسلام کی دعوت اور اس کی اشاعت سے انھیں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہ اگر ان میں اسلام پھیل گیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی مذہبی سیادت ختم ہو جائے گی، ان کے دیگر قبائل پر جو اثرات ہیں وہ جاتے رہیں گے اور وہ اپنے گھروں ہی میں بے گھر ہو جائیں گے، قریش کے اس خدشے کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ط (۱۵)

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کر لیں تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے۔

یوں قریش کو یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اسلام کی اشاعت سے ان کی مذہبی اجارہ داری ختم ہو جائے گی اور دیگر قبائل پر ان کی سیاسی بالا دستی باقی نہ رہے گی، اس لئے انہوں نے اپنے مذہبی امتیازات کے تحفظ اور

سیاسی مفاد کی حفاظت کی خاطر اسلام، مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کی نہایت شدومد سے مخالفت کی۔(۱۶)

تیسرا سبب:

قریش تجارت پیشہ تھے، ان کی معاش کا انحصار تجارت کے وسیع کاروبار پر تھا، ان کی بیرونی تجارت ایک طرف حبشہ و یمن سے تھی، دوسری طرف ان کے کاروان مصر، شام و روم تک جاتے تھے، اسی طرح عراق و فارس سے بھی ان کے کاروباری روابط تھے، روم و ایران کی طویل جنگ آزمائیوں کے باوجود عربوں کے تعلقات اپنے ان دونوں ہی پڑوسیوں سے خوشگوار تھے اور ان کے تجارتی قافلے بےخطر ان دونوں سلطنتوں سے گزرتے اور تجارت کرتے تھے، اس کے علاوہ اندرون عرب انہوں نے ایک مربوط تجارتی سلسلہ قائم کر رکھا تھا، نہایت پابندی سے ملک کے طول و عرض میں بازار لگتے تھے اور قریش کے تاجر آزادی کے ساتھ وہاں جاتے اور کاروبار کرتے تھے، اسلام کی دعوت قبول کرنے کو وہ سارے عرب بلکہ تمام دنیا سے دشمنی مول لینے کے مترادف خیال کرتے تھے، یہ دشمنی اندرون عرب اور بیرون عرب ان کے کاروبار کو برباد کرنے کا سبب بنتی اور وہ معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام قبول کرتے ہی عرب کے سارے قبائل ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے، ان کے تجارتی کارواں مکہ سے باہر نہ جاسکیں گے اور قبائل نہ تو ان سے سامان تجارت خریدیں گے اور نہ ان کو اپنے علاقوں سے گزرنے دیں گے، اس کے ساتھ ہی ان کے قوی عیسائی پڑوسی (حبشہ و روم) ان کے دشمن ہو جائیں گے کہ اسلام ان کے گمراہ عقیدے تثلیث و الوہیت مسیح پر بھی کاری ضرب لگا رہا ہے، مثلاً قرآن کا یہ بیان کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاO ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ج قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ یَمْتَرُوْنَO مَا کَانَ لِلّٰہِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَہٗ ط۔(۱۷)

سلامتی ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا، یہ عیسیٰ بن مریم تھے، یہ سچ بات ہے جس کے بارے میں وہ لوگ شک میں مبتلا ہیں، اللہ کے یہ بات شایاں نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ اس سے پاک و منزہ ہے۔

اسی طرح ایران و یمن و عراق کے حکمراں مجوسی کہ دو خداؤں کے پیرو تھے، قبولِ اسلام کے

سب قریش کے دشمن ہو جائیں گے، کہ قرآن ان کے بھی عقیدہ ثنویت پر ضرب لگاتا ہے:

قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۱۸)

اللہ کہتا ہے کہ دو خداؤں کو اپنا معبود نہ بناؤ، اللہ کہ تمہارا معبود وہ ایک ہے۔

اس طور سے قریش اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے کیونکہ ان کے انداز فکر کے سبب انھیں یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ ان کے مسلمان ہوتے ہی رزق کے دروازے ان پر بند ہو جائیں گے، ان کا کاروبار برباد ہو جائے گا، اور وہ مکہ کی بن کھیتی کی زمین میں خوف اور بھوک کی اعصاب شکن لعنت میں مبتلا ہو جائیں گے، یہ ان کی محض خام خیالی اور کوتاہ اندیشی تھی، کیونکہ انھیں امن اور رزق اللہ کے فضل سے میسر آیا تھا اور اللہ کے گھر کی تولیت کا وہ ثمرۂ اولیں تھا۔ (۱۹)

چوتھا سبب:

مکہ میں قصی نے جو نظام قائم کیا تھا، وہ ''اعیانی'' تھا، امتداد زمانہ سے قریش کا قبیلہ متعدد افخاذ، بطون وعوائل میں تقسیم ہو چکا تھا، اس نے اس اشرافیہ میں قریش کے ہر فخذ بطن اور عائلہ کو اس کی حیثیت واہمیت کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی عہدہ ضرور دیا تھا، یہ عہدے جلد ہی موروثی ہو گئے اور قبیلے کی ذیلی تقسیم سے وابستہ افراد میں اس کے حصول کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی، اس کے ساتھ مختلف بطون بھی برتری کے لئے کوشاں رہنے لگے، یوں ایک بطن میں آپس میں، بطون میں اور افخاذ وعوائل میں مکہ کی اشرافیہ میں منصب بلند پر فائز ہونے اور اسے حاصل کر لینے کی کبھی ختم نہ ہونے والی دوڑ شروع ہو گئی، اس قبائلی منافست کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے، ہم نے عرب جاہلیت کے بیان میں اس کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا ہے، یہاں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ اس حصول اقتدار کی کشمکش نے قریش کے داخلی اتحاد کو کمزور اور ان کے شہری ڈھانچے کو چرمرا دیا تھا، وہ ہر چند ایک نظر آتے تھے، لیکن اندر سے ایک دوسرے سے الگ، منتشر و پراگندہ تھے، عربوں کی عصبیت جس پر ان کی معاشرتی زندگی کی عمارت کھڑی تھی، اس ستون پر استوار تھی کہ غیروں کے مقابلے میں اپنے برادران عم زاد کی حمایت کریں گے، دور کے عم زادوں کے مقابلے میں قریب کے ابنائے عم کی اور اپنے ان قریبی عم زادوں کے مقابلے میں اپنے بھائیوں کا ساتھ دیں گے۔ اس لئے یہ غیر قریش کے مقابلے میں قریش کا بنو حارث و بنو محارب کے مقابلے میں بنو غالب کا، بنو عامر بن لوئی کے مقابلے میں بنو کعب بن لوئی کا، بنو تیم بن مرہ و یقظہ بن مرہ کے مقابلے

میں بنوکلاب بن مرہ کا، بنوزہرہ کے مقابلے میں بنوقصی کا، بنوعبدالدار کے مقابلے میں بنوعبدمناف کا اور بنوعبدشمس کے مقابلے میں بنوہاشم کا ساتھ دینا ضروری خیال کرتے تھے۔ یہ قبائلی مناقشہ و منافسہ ہر بطن و عائلہ میں کسی نہ کسی صورت میں موجود تھا۔ لیکن عہدزیرنظر یعنی بعثت محمدی علیٰ صاحبہا الف تحیۃ وسلام کے آغاز میں بنومخزوم بن یقظہ و بنوعبدمناف میں شدید کشمش اقتدار تھی، اسی طرح بنوعبدمناف کے دو بطون بنو ہاشم اور بنوعبدشمس میں بھی یہ اختلاف تھا، چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ ہاشم اور اس کے بھتیجے امیہ اکبر بن عبدشمس میں بنوعبدمناف کی سیادت کے لئے عملی جدوجہد ہوئی تھی اور بھتیجے کو شکست کھا کر دس سال تک حجاز سے باہر شام میں رہنا پڑا تھا، اسی طرح عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ بن عبدشمس میں بھی یہ منافست تھی جس میں عبدالمطلب کا پلہ اپنے حریف سے بھاری تھا، یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بنوہاشم، بنو عبدشمس اور بنومطلب و بنونوفل کے چاروں بنوعبدمناف کے اجزائے قبیلہ، بنوعبدالدار بن قصی یا بنومخزوم بن یقظہ بن مرہ کے مقابلے میں ضرور ایک ہو جاتے تھے، مگر جب معاملہ خود بنوعبدمناف میں ہوتو وہ آپس میں بھی دست بہ گریبان ہو جاتے تھے، اس لئے ان کی باہمی موافقت ومخالفت جو اس اصول کے تحت ہوتی تھی جسے میں نے اوپر بیان کیا ہے، بظاہر مغالطہ آمیز و انگیز بھی ہوئی اور اس سے اس اصول سے ناواقف حضرات غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں، اور ہوئے بھی ہیں، قصہ مختصر بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قریش کی سیادت کے دعوی دار بنومخزوم بن یقظہ تھے اور بنوعبدشمس میں حرب بن امیہ اکبر کے بعد جو عبد المطلب کے بعد بنوقصی کا سب سے بڑا رئیس اور قریش کا رئیس اعظم تھا، عتبہ بن ربیعہ اور ابو سفیان بن حرب سیادت کے دعوی دار تھے، مگر انھیں بنومخزوم جیسی قوت و کثرت حاصل نہ تھی، بنوہاشم میں عبدالمطلب کی وفات اور بعد ازاں زبیر بن عبدالمطلب کے انتقال کے بعد کوئی بڑا صاحب ادعا نہ تھا، ابو طالب اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، بنوہاشم کی ریاست انھیں کو حاصل تھی لیکن صحت کی خرابی اور مالی کمزوری نیز خاندان میں آپسی اختلافات کے سبب ابولہب بن عبدالمطلب جس کا بانی مبانی تھا، بنو ہاشم کو عبد المطلب و ہاشم جیسی عظمت و طاقت حاصل نہ رہی تھی، اس لئے بنومخزوم کے ادعا کے مقابلے میں انھیں زیادہ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی اور گو بنوعبدشمس، آل عبدمناف ہونے کے ناطے کبھی کبھی ان کی حمایت کرتے تھے مگر نیم دلی کے ساتھ اور خود اپنی عداوت کے باوصف بھی، اس لئے اعلان نبوت کے بعد جن بطون کو سب سے زیادہ خفگی ہوئی اور انہوں نے سب سے بڑھ چڑھ کر اسلام اور صاحب قرآن کی مخالفت کی وہ بنومخزوم ہی تھے، ان کے بعد بنوعبدشمس تھے جو کبھی بنومخزوم کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہاشمی و عبدمنافی

ہونے کے باعث نیم دلانہ حمایت کرتے تھے ہر چند کہ اکثر اوقات وہ بھی دشمنی وعداوت میں دوسروں سے کچھ آگے ہی رہتے تھے۔ان کے علاوہ جو دوسرے سرداران بطون وافخاذ تھے مثلاً بنو جمح، بنو سہم، بنو زہرہ، بنو عبدالعزیٰ یا بنو عامر بن لوی کے سربرآوردہ روساوہ اپنے ذاتی مفاد اور قبائلی وابستگیوں سے بنو مخزوم و بنو عبدشمس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے تھے۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا، ان کا مفاد یہ ہے کہ اسلام کی مخالفت میں بین البطون اختلافات بھی کارفرما تھے اور مختلف قبائل میں جو دشمنی وعداوت کے جذبات پروان چڑھے، انھیں خاندانی عداوتوں نے بھی بڑھا دیا، سیرو تاریخ کی کتابوں میں ایسے متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں جن سے اس رجحان کی عکاسی ہوتی ہے، مثلاً ایک بار ابوجہل عمرو بن ہشام مخزومی نے کہا ہم اور بنو عبدمناف (بشمول بنی ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے، انہوں نے مہمان داریاں کیں تو ہم نے بھی کیں، انہوں نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے، انہوں نے فیاضیاں کیں تو ہم نے اُن سے بڑھ کر کیں، یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا، تو اب بنو ہاشم نبوت کے دعویدار ہیں، خدا کی قسم ہم اس نبی پر کبھی ایمان نہیں لاسکتے"۔ یوں ان قبائلی اور خاندانی عداوتوں نے بھی قریش کے مخالفانہ جذبات کو بھڑکایا اور اسلام کی راہ میں زبردست رکاوٹیں کھڑی کر دیں، یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بنو مخزوم اور بنو عبدشمس مال و دولت اور کثرت تعداد میں دوسرے بطون سے نمایاں تھے، تو اس کے ساتھ ہی ان میں حق کے متلاشی نوجوانوں اور دیگر افراد کی بھی کمی تھی، چنانچہ خفیہ تبلیغ کے زمانے میں جو اصحاب ایمان لائے ان میں بنو مخزوم کے پندرہ افراد اور بنو عبدشمس کے دس افراد شامل تھے، یہ تعداد بنو ہاشم و مطلب کے افراد سے زیادہ تھی۔(۴۰)

پانچواں سبب:

مال و دولت کی فراوانی اور اولاد واحلاف کی کثرت کے سبب، سرداران قریش میں نخوت و برتری کے جذبات پیدا ہو گئے تھے اور ان بے خود غلط سرداروں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آگیا تھا جو غلاموں کو، مکہ میں آباد اجنبیوں (احلاف وموالی) کو اور خود اپنے ہی قبیلے کے بے زر اور کم حیثیت افراد کو اپنے سے کم تر خیال کرتے تھے، خفیہ تبلیغ کے تین برسوں میں جن لوگوں نے صدائے اسلام پر لبیک کہا، ان میں ایک بڑی تعداد بے سہارا غلاموں مثلاً بلال، عامر بن فہیرہ اور ابوفکیہہ کی، مجبور باندیوں مثلاً سمیہ وزنیرہ کی اور احلاف (اجنبیوں) مثلاً صہیب بن سنان، خباب بن ارت، اور عمار بن یاسر کی تھی، یہ مغرور سردار

جب ان لوگوں کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد دیکھتے تو توہین آمیز لہجے میں کہتے:

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا (۲۱)

کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہمارے درمیان اللہ کا فضل و کرم ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء میں کفار کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ (۲۲)

کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں، حالانکہ تمہاری پیروی رذیل ترین لوگوں نے کی ہے۔

سردارانِ قریش کو اسلام کی دعوت میں اپنے تفوق اور برتری کا خاتمہ نظر آرہا تھا، اور وہ معاشرے کے کچلے ہوئے اور کم آسودہ افراد کے مساوی رہنے کو قبول کرنے اور ان کے برابر درجہ دیئے جانے پر کسی طرح آمادہ نہ تھے۔ اس لئے اسلام کی ابتدائی تبلیغ کے زمانے میں سردارانِ قریش میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ صرف نوجوانوں، معاشی اعتبار سے کم تر افراد اور غلاموں اور باندیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا تھا، سردارانِ قریش میں سے ابوجہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل، سعید بن عاص، عقبہ بن ابی معیط اور اسود بن مطلب وغیرہ اس جھوٹے تفاخر اور غرور کے سبب اسلام کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور اپنے ساتھ اپنے ہوا خواہوں کو ملا کر انہوں نے ایک طوفان برپا کر دیا۔ (۲۳)

چھٹا سبب:

قریش نے اسلام کی مخالفت اس وجہ سے بھی کی کہ وہ ہر طرح کے اخلاقی معائب میں مبتلا تھے، ان میں سخت اخلاقی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں، چوری، بدمعاملگی، دروغ گوئی، چغل خوری، زبردست آزاری اور غرور و تکبر جیسی برائیاں عام تھیں، ابولہب جو بنو ہاشم کا ایک سربرآوردہ فرد تھا، حرم کے غزالِ زریں کی چوری میں ماخوذ ہو چکا تھا، ابوجہل بنو مخزوم کے روسا میں تھا اس کی کاروباری بدمعاملگی کا یہ عالم تھا کہ مکہ میں باہر سے آنے والے تاجر کا مال خرید لیتا اور نہ اس کی قیمت ادا کرتا اور نہ مال ہی واپس کرتا تھا، مثلاً مقامِ اراش کے ایک شخص کا واقعہ جس کا اونٹ ابوجہل نے خرید لیا تھا مگر نہ تو اس کی قیمت دیتا تھا اور نہ ہی اونٹ، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مداخلت کرنے پر اس نے بدرجۂ مجبوری اونٹ کے دام چکائے تھے، اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور روسا میں شمار ہوتا تھا، نمام (چغل خور) اور کذاب (پرلے

سرے کا جھوٹا) تھا، ولید بن مغیرہ، سعید بن عاص، عاص بن وائل اور عقبہ بن ابی معیط حد درجہ مغرور اور گردن کش تھے، زیر دست آزاری اس پر مستزاد تھی، یہی حال امیہ بن خلف و نضر بن حارث وغیرہ کا بھی تھا، جناب رسول اللہ ﷺ جہاں بت پرستی کی ممانعت کرتے وہیں کفار کے رزائل اخلاق اور معائب کی بھی برائیاں کرتے تھے، اس لئے قریش مکہ کو یہ خوف تھا کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو ان منفعت بخش اخلاقی برائیوں سے بھی کنارہ کش ہونا پڑے گا، اور ہماری معاشرتی بالا دستی و مجلس آرائی کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ (۲۴)

ساتواں سبب:

قریش کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ آپ انسان کیوں ہیں، وہ ایسے شخص کو اللہ کا رسول ماننے پر بالکل آمادہ نہ تھے جو کھاتا پیتا ہے، بال بچے رکھتا ہے اور دنیاوی کام بھی کرتا ہے، اس اعتراض کو قرآن میں متعدد مقامات پر دہرایا گیا ہے، مثلاً سورۃ الفرقان میں ارشاد ہوا:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ (۲۵)

یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا، جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والے کو) دھمکاتا۔

قرآن میں کفار قریش کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ
السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (۲۶)

ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے آرام سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے ہی کو ان کے لئے رسول بنا کر بھیجتے۔

مخالفین کی تردید مزید کے لئے فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیا و رسل بھیجے گئے وہ بھی انسان ہی تھے، فرشتے یا انسانوں سے علیحدہ کوئی اور مخلوق سے تعلق نہ رکھتے تھے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (۲۷)

آپ (ﷺ) سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔

مگر اس تمام تفہیم وتردید کے باوصف کفار کے دلوں میں اسلام سے نفرت ہی رہی اور منجملہ دیگر اسبابِ مخالفت ونفرت کے رسولِ اکرم علیہ السلام کی بشریت بھی ایک بڑا سبب بن گئی۔

آٹھواں سبب:

علامہ شبلیؒ نے قریش کی مخالفت کا ایک سبب یہ بیان کیا ہے کہ قریش کو عیسائیوں سے نفرت تھی کہ انھیں کا یمن کا حبشی گورنر ابرہۃ الاشرم اپنے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوا تھا اور اگر تائید الٰہی ونصرت خداوندی نہ ہوتی تو ابرہہ اپنی ناپاک جسارت میں کامیاب بھی ہو جاتا، اس کے برخلاف قریش عیسائیوں کے مقابلے میں ایران کے مجوسیوں سے خود کو زیادہ قریب محسوس کرتے تھے، ایران وروم کی اس زمانے میں (۶۰۳ تا ۶۲۸ء) ہونے والی جنگوں میں مجوسیوں کی کامیابی اور عیسائیوں کی پے در پے ہزیمت سے قریش بہت خوش تھے، لیکن مسلمانوں کو اس سے ایک طرح کا رنج ہوا، چنانچہ سورۃ الروم آیت ۱ تا ۴ میں جلد ہی عیسائیوں کی فتح اور مجوسیوں کی شکست کی پیشین گوئی کی گئی اور نتیجتاً رومیوں (عیسائیوں) کی فیصلہ کن فتح اور ایرانیوں (مجوسیوں) کی عبرت ناک شکست پر مسلمانوں کو مسرت ہوئی اور کفارِ قریش کو سخت خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے علاوہ بقول مولانا شبلیؒ "اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں اس لئے قریش کو یہ اندیشہ تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اسلام کی مخالفت میں یہ عنصر بھی داخل ہو گیا، اور قریش نے اسلام کی زور وشور سے مخالفت کی۔

عرب کے عیسائی اور یہود اللہ کے لئے "رحمان" کا لفظ بولتے تھے، چونکہ قریش کو عیسائیت سے نفرت تھی، اس لئے وہ رحمان کو نہیں مانتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر جب معاہدے میں حضرت علیؓ نے **بسم اللہ الرحمان الرحیم** لکھا تو قریش نے اس کا انکار کیا اور بولے کہ ہم رحمان کو نہیں مانتے، قرآن میں قریش کے اس انکار کا ذکر کئی مقامات پر کیا گیا ہے، مثلاً سورۃ الفرقان، آیت ۶۰ میں ہے:

> **وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ ۗ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًا ۩ (۴۸)**
>
> اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں، رحمان کیا ہے؟ جس کے آگے تم ہمیں سجدہ کرنے کو کہو، اس کو سجدہ کرنے لگیں، اور رحمان کا نام سن کر ان کو زیادہ نفرت ہو جاتی ہے۔

سورۃ الانبیاء میں عربوں کے اسی انکار کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ O (۲۹)

رحمان کے ذکر سے وہ لوگ انکاری ہیں۔

اس سے بھی واضح الفاظ میں سورۃ الزخرف میں فرمایا گیا ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ O وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ط (۳۰)

جب ابن مریم کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ ﷺ کی قوم اس سے ہنستی ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں ہمارے دیوتا اچھے ہیں یا وہ؟ (۳۱)

اس بنا پر علامہ شبلیؒ کا بیان درست ہے، مگر یہ کہنا کہ اسلام و نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، صحیح نہیں ہے، اس عہد کے عیسائی جن گمراہ عقائد پر یقین رکھتے تھے، ان کا ہم نے ''مذاہب عرب قبل الاسلام'' میں ذکر کیا ہے، نیز عیسائی فرقوں کی باہمی چپقلش اور نزاع کا بیان بحیرئی راہب سے ملاقات کے ضمن میں قارئین کی نظر سے گزرا ہوگا، اس لئے عیسائیت موجودہ اور اسلام میں عقائد کے اشتراک کی بات بے اصل ہے، اس ضمن میں یہ بات بھی جواب طلب ہے کہ خانۂ کعبہ میں قریش نے جو بت رکھے تھے ان میں حضرت مریم کی شبیہ بھی تھی، یہ یقیناً عرب کے عیسائی قبائل کو کعبۃ اللہ کی جانب متوجہ کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی قبائل پر اس کا کوئی قابل ذکر اثر نہیں پڑا، مثلاً بنو طے جو عیسائی تھے، قریش کے ''اشہر حرم'' (حرام مہینوں) کی بھی حرمت کو تسلیم نہ کرتے تھے اور ان میں بھی قتل و غارت سے باز نہ آتے تھے، بہر کیف یہ حقیقت ہے کہ قریش کو عیسائیت سے نفرت تھی اور وہ ان کے خدا (رحمان) کو ماننے پر آمادہ نہ تھے، جبکہ قرآن نے بار بار انھیں یاد دلایا کہ رحمان اللہ ہی کا نام ہے اور **بسم اللہ الرحمن الرحیم** میں لفظ رحمان کا ذکر اس کی جانب اشارہ کر رہا ہے، بہر کیف اس نفرت کو قریش کی باطل پرست انانیت نے اسلام کی مخالفت میں تبدیل کر دیا۔ (۳۲)

مخالفین کے سرغنوں کے نام:

اس بحث کے بعد ہم قریش کے مظالم، مسلمانوں کی تعذیب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی ستم شعاریوں کا مختلف عنوانات کے تحت نہایت اختصار سے ذکر کریں گے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سیرت اور احادیث کی کتابوں میں صرف کفار کے سرغنوں کے نام بیان کئے گئے ہیں، اور ان کی شہ پر مسلمانوں کو اذیت دینے والوں، تمسخر کرنے والوں اور گم راہ کن پروپیگنڈہ کرنے والوں کے نام بالعموم مذکور نہیں ہیں، اس لئے یہ سمجھنا کہ صرف چند ہی افراد اسلام کی مخالفت میں سر گرم تھے، درست نہیں ہے، صحیح صورت حال یہ ہے کہ اہل مکہ کی اکثریت بوجوہ دشمن اسلام تھی، ان میں یقیناً کچھ ایسے روسا بھی تھے جو نسبتاً کم مخالف تھے اور عام لوگوں کی ایک معتدبہ تعداد اس کشمکش سے الگ تھلگ تھی، جبکہ ایسے لوگ بھی تھے جو اسلام کی جانب مائل تھے لیکن تعذیب، استہزا یا کسی اور معاشی و معاشرتی مجبوری سے اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہوئے جھجکتے تھے، بہر کیف ان سخت مخالفوں، اذیت رسانوں اور تمسخر کرنے والوں کے نام جو بلاذری، ابن سعد و ابن ہشام نے درج کئے ہیں یہ ہیں۔ (۳۳)

۱۔ بنو مخزوم سے: ابوجہل عمرو بن ہشام، ولید بن مغیرہ، ابوقیس بن فاکہ، عبداللہ بن ابی امیہ، اسود بن عبدالاسد، ہیرہ بن ابی وہب اور سائب بن صیفی بن عائذ،

۲۔ بنو جمح سے: امیہ بن خلف، ابی بن خلف،

۳۔ بنو سہم سے: عاص بن وائل، حارث بن قیس ابن الغیطلہ، منبہ بن حجاج، نبیہ بن حجاج،

۴۔ بنو امیہ سے: عقبہ بن ابی معیط، ابواحیحہ سعید بن عاص، حکم بن ابی العاص،

۵۔ بنو عبدالعزیٰ سے: نوفل بن خویلد بن اسد، اسود بن مطلب

۶۔ بنو عبدالدار سے: نضر بن حارث

۷۔ بنو نوفل سے: طعیمہ بن عدی،

۸۔ بنو زہرہ سے: اسد بن عبدیغوث، اخنس بن شریق،

۹۔ بنو ہاشم سے: ابولہب بن عبدالمطلب

۱۰۔ غیر قریش سے: عدی بن حمراء خزاعی، ابن الاصداء ہذلی۔

جناب رسول اللہ ﷺ پر مظالم:

کفار قریش کی ایذا تو ہین، استہزا اور ستم شعاری کے واقعات کا آغاز ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے کرتے ہیں، اور ان جسمانی اذیتوں کا اجمالی ذکر کرتے ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئیں، حتی کہ ابوجہل نے کہ سرگروہ اشقیا اور امت محمدی ﷺ کا فرعون تھا، آپ

ﷺ کو قتل کرنے تک کا ارادہ کرلیا تھا۔ (نعوذ باللہ):

جسمانی اذیتیں:

ایک مرتبہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ "محمد ﷺ ہمارے دین کو برا کہنے اور ہمارے دیوتاؤں کو گالیاں دینے سے باز نہیں آتے، اس لئے میں کل ایک پتھر لے کر بیٹھوں گا اور محمد ﷺ جب نماز میں سجدہ کریں گے تو میں ان کا سر کچل دوں گا"۔ دوسرے دن وہ پتھر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گیا، آپ ﷺ حسب معمول مسجد حرام میں آئے اور نماز میں مشغول ہوگئے، جب آپ ﷺ سجدہ میں گئے تو ابوجہل پتھر لے کر بڑھا، قریش کے لوگ اس واقعے کو دیکھنے کی غرض سے جمع ہوگئے تھے، انہوں نے دیکھا پتھر ابوجہل کے ہاتھ سے گر گیا وہ سخت خوف زدہ ہوکر پیچھے ہٹ گیا، لوگوں کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ "میں جب محمد ﷺ کے قریب پہنچا تو میرے آگے ایک ایسا زبردست اونٹ آگیا کہ میں نے کبھی اتنا بڑا اور ہیبت ناک اونٹ نہ دیکھا تھا وہ مجھ کو چبا ڈالنے کے لئے تیار ہوگیا تھا"۔ (۳۴)

اسی طرح ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحن حرم میں نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل کے اشارے پر عقبہ بن ابی معیط نے کہیں سے تازہ ذبح کئے ہوئے اونٹ کی اوجھ آپ ﷺ پر ڈال دی، اسی طرح ابولہب آپ ﷺ کا پڑوسی تھا، اس کا معمول تھا کہ آپ ﷺ کے مکان کے آگے غلاظت اور گندگی لاکر ڈال دیتا تھا، اس کی بیوی ام جمیل کانٹے اکٹھا کر کے لاتی اور آپ ﷺ کے گھر اور راستے میں انھیں بچھا دیتی تھی، آپ کا دوسرا پڑوسی عقبہ بن ابی معیط تھا اور آپ کے گھر میں نجاست پھینکنے میں وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا، ایک مرتبہ آپ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اس نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا، ایک دوسرے موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز کے لئے داخل ہوئے، کفار قریش آپس میں طے کر کے بیٹھے تھے، سب نے یک بارگی ہلا بول کے آپ ﷺ کو جالیا آپ کی چادر کے کنارے پکڑ کر کھینچے آپ ﷺ کا گلا گھونٹے اور زور زور سے چلا کر کہنے لگے: "تم ہمارے بتوں کے بارے میں بُرے بُرے الفاظ نکالتے اور ان کو گالیاں دیتے ہو؟" وہ اس جملے کو دہراتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت استقامت کا مظاہرہ کر کے یہی فرماتے ہے، "ہاں! میں ہی تمہارے معبودوں کے بارے میں یہ باتیں کہتا ہوں"۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ جو وہاں موجود تھے آپ ﷺ کی حمایت میں آگے بڑھ کر لوگوں سے آپ کو بچانے لگے اور کہنے لگے: تم لوگ ایسے شخص کو قتل

کرنا چاہتے ہو، جو یہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے، یہ سن کر کفار نے آپ ﷺ کو تو چھوڑ دیا مگر حضرت ابوبکر صدیق کو اتنا مارا کہ ان کا سر کھل گیا اور وہ داڑھی سے گھسٹتے ہوئے گھر لائے گئے۔(۳۵)

ابو جھل کی کمینگی:

کفار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ عداوت تھی کہ ایک بار ابوجہل نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو اس وقت بچی تھیں بلاوجہ تھپڑ ماردیا، بچی کو روتا دیکھ کر ابوسفیان نے سبب معلوم کیا پھر بی بی کو لے کر ابوجہل کے پاس آئے، اس کے ہاتھ پکڑ لئے اور بی بی سے کہا: اب تو بھی اسے تھپڑ مار، بی بی نے ایسا ہی کیا اور ہنسی خوشی گھر واپس گئیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ سنا تو ابوسفیان کو دعا دی۔(۳۶)

ذهنی اذیت:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہنی اذیت دینے کی غرض سے کفار نے ایک سازش یہ کی کہ آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع پر دباؤ ڈالا کہ وہ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو طلاق دیدیں اور قریش کی جس عورت سے وہ شادی کرنا چاہیں اس سے ان کی شادی کردی جائے، ابو العاص کا تعلق بنوعبدشمس سے تھا اور ان کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہ بنت خویلد کی بہن تھی، ان کا شمار مکہ کے شرفا میں ہوتا تھا وہ اپنی تجارت، دولت اور امانت کے لئے مشہور تھے، اعلان نبوت کے بعد انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا، لیکن اپنی زوجۂ محترمہ کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوش گوار تھے، ابو العاص نے قریش کی پیش کش ٹھکرا دی اور اپنی بیوی کو طلاق دینے سے انکار کردیا، انہوں نے سن ۸ ہجری میں اسلام قبول کرلیا، آپ ﷺ کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کے نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئے تھے لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی چنانچہ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کی تحریک پر ان دونوں نے دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی، اللہ نے ابولہب کی اولاد کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دامادی کے شرف سے محروم کردیا اور افتخار اور امتیاز حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ کے حصے میں آیا، وہ رہتی دنیا تک ''ذوالنورین'' کہلاتے رہیں گے۔(۳۷)

بیٹے کی موت پر خوشی کا اظہار:

اس سے بھی بڑھ کر کفار نے یہ حرکت کی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کم سن صاحب زادے عبداللہ نے انتقال کیا تو انہوں نے کسی ہمدردی کا اظہار بھی نہ کیا، بلکہ اس پر بڑی خوشیاں منائیں، اور آپ

ﷺ کو "ابتر" کہنا شروع کردیا یعنی جڑ کٹا آدمی جس کے بعد اس کا کوئی نام لیوا نہ ہو، جس رات عبداللہ کی وفات ہوئی، اس کی صبح ابولہب جو آپ ﷺ کا پڑوسی تھا، دوڑا ہوا مشرکین کے ہاں گیا اور یہ خوشخبری سنائی: "آج رات محمد ﷺ لاولد ہو گئے، ان کی جڑ کٹ گئی" (نعوذباللہ) اس خوشی میں عاص بن وائل، ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط ابولہب کے شریک تھے اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ O (۳۸)

بیشک آپ (ﷺ) کا دشمن ہی جڑ کٹا اور بے نام ونشان ہے۔

اور دنیا نے دیکھا کہ آج وہ سب بے نام ونشان ہی ہیں۔ (۳۹)

آپ ﷺ کا تمسخر اُڑانا:

کفار نے ان اذیتوں ہی پر بس نہ کی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر (جادوگر) کہنا شروع کیا، حج کے موسم میں جو قبائل مکہ آتے تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جا کر انہیں اللہ کی توحید کی تلقین فرماتے اور بت پرستی وشرک سے اجتناب کی نصیحت کرتے تھے، سردار قریش ولید بن مغیرہ کی تجویز پر کفار نے مکہ میں آنے والوں میں یہ پروپیگنڈا شروع کردیا کہ محمد ﷺ ساحر ہیں اور لوگوں میں ایسی باتیں پھیلاتے ہیں کہ باپ سے بیٹا، بھائی سے بھائی اور شوہر سے بیوی اور قریبی اعزہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور مکہ میں ایک فتنۂ عظیم برپا ہو گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے نادان باہر سے آنے والوں نے کفار کی ان جھوٹی باتوں پر یقین کر کے اسلام کا پیغام سننے سے انکار کر دیا، اسی کے ساتھ انہوں نے آپ ﷺ کو شاعر اور مجنون بھی کہنا شروع کیا، اس طرح جب آپ کہیں جا رہے ہوتے تو مکہ کے آوارہ گرد اپنے سرداروں کے بہکاوے میں آکر آپ ﷺ پر آوازے کستے اور آپ کی نقلیں اتارتے تھے، آپ کے پڑوسی حکم بن ابی العاص اموی نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب آپ ﷺ کہیں جاتے وہ آپ کے پیچھے پیچھے چلتا اور سر اور منہ سے آپ کی نقلیں اتارتا تھا، کفار نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب آپ ﷺ مسجد حرام میں با آواز بلند قرآن پڑھتے تو وہ سب مل کر شور مچاتے تاکہ لوگ اسے نہ سن پائیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کفار کی ان حرکتوں کا ذکر فرمایا ہے مثلاً:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ O (۴۰)

کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو، اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ۔

اور سورۃ الطّور میں کفار کی ہرزہ سرائی کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ○ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ○ (۴۱)

آپ ﷺ ان لوگوں کو نصیحت کئے جائیں، اپنے رب کے فضل سے آپ ﷺ نہ تو کاہن ہیں اور نہ مجنون، کیا یہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں اور ہم ان کے تعلق سے گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ (۴۲)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مظالم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار قریش کی یہ ستم شعاریاں جاری تھیں اور ساتھ ہی دوسرے مسلمان بھی ان کے ظلم و ستم کا شکار رہتے، ان میں امیر، غریب آزاد اور غلام کی کوئی تفریق نہ تھی، جو بھی اسلام لایا وہ ان حق ناشناسوں کا تختۂ مشق بنا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے والوں میں دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے بھی ممتاز تھے، ان مشرکین کی تعذیب و ایذا کی آماج گاہ بنے، ان کے تمام تر معاشرتی مرتبے کے باوجود ظالموں نے ان کی ہر طرح تذلیل، توہین اور تکذیب کی، چنانچہ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ مسجد حرام میں گئے اور وہاں موجود لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، مشرکین یہ دیکھ کر ان پر ٹوٹ پڑے، انھیں پاؤں سے روندا اور اتنا مارا کہ ان کا سارا منہ سوج گیا، یہ حال دیکھ کر ان کے قبیلے والے انھیں چھڑا کر ان کے گھر لے گئے، ان لوگوں کو اس میں کوئی شک نہ رہا تھا کہ وہ اب مر جائیں گے، اس لئے وہ پلٹ کر پھر مسجد میں گئے اور کہا: ”خدا کی قسم اگر ابوبکرؓ مر گئے تو ہم انھیں مارنے والے عتبہ کو جیتا نہ چھوڑیں گے،“ شام تک حضرت ابوبکرؓ بے سدھ پڑے رہے جب ہوش آیا تو انکا پہلا سوال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ ایک دوسرے موقع پر مشرکین کے ایک شقی القلب حامی نوفل بن خویلد نے آپ کو پکڑ کر حضرت طلحہؓ کے ساتھ باندھ دیا، مشرکین کے مظالم سے تنگ آکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے بلند مرتبہ شخص نے بھی حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اور مکہ سے نکل کر یمن کے راستے میں مقام برک الغماد تک پہنچے، وہاں قبیلۂ قارہ کا رئیس ابن الدغنہ انھیں ملا، وہ

مکہ میں آبا د احابیش کا سردار تھا، اس نے ان سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ”میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، سخت اذیتیں دی ہیں اور زندگی اجیرن کردی ہے“، اس نے کہا: ”تم جیسا آدمی نہیں نکل سکتا اور نہ نکالا جا سکتا ہے، اللہ کی قسم تم معاشرے کی زینت ہو، نادار کو کما کر دیتے ہو، صلۂ رحمی کرتے ہو، درماندہ لوگوں کا بار اٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو اور نیک کاموں میں مدد دیتے ہو، واپس چلو میں تمہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں، اپنے شہر میں ہی اپنے رب کی عبادت کرو“۔ (۴۳)

دیگر صحابہؓ پر کفار کے مظالم:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متمول و معزز آدمی تھے، جب اسلام لائے تو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے انھیں رسی سے باندھ کر مارا، حضرت زبیر بن عوام کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ دیتا اور نیچے سے دھونی دیتا اور کہتا جاتا کہ اسلام سے رجوع کر، حضرت مصعب بن عمیر کو ان کے خاندان والوں نے سخت اذیتیں دے کر قید کردیا، حضرت سعد بن ابی وقاص اور ان کے بھائی عامر پر ان کی ماں نے سختیاں کیں، حضرت خالد بن سعید اموی کو ان کا باپ بڑی بے دردی سے مارتا اور بھوکا پیاسا رکھتا تھا، یہ لوگ طرح طرح کی اذیتیں سہتے، تکلیفیں برداشت کرتے مگر راہِ حق پر ثابت قدم رہتے تھے اور ان میں سے کسی کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی بلکہ حق کا نشہ اور دو آتشہ ہوگیا۔ (۴۴)

بے سہارا مسلمانوں پر مظالم:

اوپر جن مسلمانوں کی اذیتوں کا ذکر کیا گیا وہ قریش کے بااثر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے کبھی کبھی ان کے اہل خاندان ان کی حمایت بھی کرتے اور کبھی وہ خود بھی اپنے پر ظلم کرنے والوں سے بدلہ چکا لیتے تھے، مگر مکہ میں رہنے والے وہ لوگ جو قریش کے حلیف، آزاد کردہ غلام اور غلام تھے، ان پر ظلم کرنے والوں کا کوئی ہاتھ روکنے والا نہ تھا اور مشرکین انھیں سخت سے سخت اذیتیں دیتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو قبیلہ ہذیل سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ میں بنو زہرہ کے حلیف تھے، مسجد حرام میں قرآن پڑھنے کے جرم میں کفار کے ہاتھوں اتنا پٹے کہ ان کا سارا منہ سوج گیا، حضرت خباب بن الارتؓ بھی بنو ربیعہ کے قبیلے سے تھے اور مکہ میں بنو زہرہ کے حلیف کی حیثیت سے رہتے تھے، وہ لوہاری کا پیشہ کرتے تھے، اسلام لانے کی پاداش میں جن لوگوں کے ہاں ان کی رقمیں قرض تھیں، ان میں عاص بن

وائل سہمی بھی تھا، اس نے رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا جب تک اسلام سے توبہ نہ کرو گے رقم نہیں ملے گی، اس پر ظالموں کا دل نہ بھرا تو انہوں نے ان کو سخت عذاب دینا شروع کیا وہ لوگ آگ جلا کر انھیں پیٹھ کے بل لٹا دیتے پھر کسی کو سینے پر کھڑا کر دیتے اور وہ اس وقت تک کھڑا رہتا جب تک آگ بجھ نہ جاتی۔

حضرت بلال بن رباح بنوجمح کے غلام تھے، اسلام لانے کے جرم میں امیہ بن خلف ان کو طرح طرح کے عذاب دیتا تھا، مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا اور کہتا کہ خدا کی قسم تو اسی طرح پڑا رہے گا جب تک محمد ﷺ کا انکار کر کے لات وعزیٰ کی پوجا نہ کرے گا، وہ جواب میں احد، احد کہتے جاتے، کبھی کبھی امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو رسی میں باندھ کر لڑکوں کو دیدیتا تھا اور وہ ان کو گھسیٹتے پھرتے تھے، انھیں بھوکا پیاسا رکھا جاتا اور مکہ کی سخت گرمی میں دردناک عذاب دیا جاتا تھا، لیکن وہ احد، احد ہی کہتے اور بتوں کی پرستش سے انکار کرتے۔

انھیں بے سہارا مسلمانوں میں حضرت عمارؓ، ان کے والد حضرت یاسرؓ اور ان کی والدہ حضرت سمیہؓ تھیں، ابوجہل انھیں سخت عذاب دیتا، جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا، بھوکا پیاسا رکھتا اور اتنا مارتا کہ وہ بے ہوش ہو جاتے تھے، اسی ابوجہل نے حضرت سمیہؓ کو اسلام لانے کے جرم میں برچھی مار کر شہید کر دیا، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت ابوفکیہہؓ، حضرت عامر بن فُہیرہؓ بھی اسلام کی خاطر سختیاں جھیلتے تھے، حضرت لبینہؓ، حضرت نہدیہؓ حضرت زنیرہؓ، حضرت ام عبیسؓ قبیلۂ قریش کے لوگوں کی باندیاں تھیں اور اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب کا شکار تھیں، ان میں سے حضرت بلالؓ، عامر بن فُہیرہؓ، لبینہؓ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عبیسؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے ظالم آقاؤں سے خرید کر راہ خدا میں آزاد کر دیا، جس سے انھیں اذیت ناک مصائب اور تکالیف سے آزادی ملی، ان مظلوم مسلمانوں کی آزادی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کتاب فضائل ومناقب کا ممتاز ونمایاں عنوان ہے۔ (۴۵)

ظلم وستم کے منفی نتائج اور کفار کی ناکامی:

مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھا کر کفار قریش لوگوں پر خوف طاری کرنا اور اس طرح اسلام کی اشاعت کا راستہ روکنا چاہتے تھے، مگر اس کے نتائج ان کی توقعات کے بالکل برعکس نکلے، ستم وظلم کی بھٹی سے وہ کندن بن کر نکلے، ان کے عزم میں پختگی اور عمل میں مزید استقامت پیدا ہوئی اور ان کے استقلال و پامردی کے سبب اشاعت اسلام میں اور تیزی آئی، ایسے افراد جو دل سے اسلام کی صداقت پر یقین رکھتے

تھے، لیکن جبر وظلم کے باعث اپنے اسلام کے اعلان سے رکتے تھے، ان والہانِ راہِ شوق کی وارفتگی دیکھ کر ان کی جھجک دور ہوگئی اور انہوں نے بھی عزمِ صمیم اور قلبِ سلیم کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کرلیا، کفار قریش یہ محسوس کرنے لگے کہ اس تعذیب وتکذیب سے اسلام کا قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے ہی بڑھ رہا ہے، اس لئے انہوں نے اسلام کی اشاعت اور توحید کی تبلیغ کو روکنے کی غرض سے ترہیب کے بجائے ترغیب اور جبر کے بجائے طمع وحرص کے حربے استعمال کرنے کا ارادہ کیا اور آپس میں مشورہ کرکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مصالحتی وفود بھیجنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے قیامِ مکہ کے دوران میں قریش کے متعدد وفود کبھی براہِ راست آپ ﷺ کے پاس اور کبھی آپ کے چچا اور رئیسِ بنی ہاشم ابو طالب کے توسط سے آپ ﷺ سے ملے، ان وفود کا کتبِ سیر وتاریخ میں ذکر آتا ہے، ہم ان میں سے بعض کو بیان کرتے ہیں۔

قریش کے وفود کی آمد:

سردارانِ قریش کا پہلا وفد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کی برائی کی، ہمارے دین میں عیب نکالا اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ ٹھہرایا، اب آپ اسے ہماری دل آزاری سے منع کریں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں، پھر ہم اس سے نمٹ لیں گے۔ ابو طالب نے ان لوگوں کو نرمی سے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور وہ چلے گئے، ایک دوسرے وفد میں سردارانِ قریش نے ابو طالب کے ذریعے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کے بتوں کی برائی کرنا چھوڑ دیں اور وہ لوگ آپ ﷺ کے معبود کو اس کے حال پر چھوڑ دیں، اس پر ابو طالب نے آپ ﷺ کو بلا کر کہا کہ یہ شیوخ واشرافِ قریش تم سے ایک انصاف کی بات طے کرنا چاہتے ہیں، تم ان کی یہ بات مان لو۔ آپ نے کہا "میں انھیں اس سے بہتر بات کی طرف بلاتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"۔ یہ جواب سن کر قریش کے شیوخ غضبناک ہوکر چلے گئے، قرآن کی سورۂ ص کی یہ آیت اسی واقعے سے تعلق رکھتی ہے:

وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ۝ (٣٦)

اپنے معبودوں کی عبادت پر ڈٹے رہو اس بات سے تو کچھ اور ہی مراد ہے۔

ان ناکامیوں سے سردارانِ قریش کو بہت غصہ آیا، اور پھر وہ ایک وفد کی صورت میں آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: "اے ابو طالب، آپ ہمارے درمیان سن رسیدہ اور معزز

ہیں، ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ محمد کی حمایت سے باز آجائیں مگر آپ باز نہ آئے، ہم سے اپنے باپ دادا کی برائی اور اپنے معبودوں کی توہین برداشت نہیں ہوسکتی، یا تو آپ محمد کو روکیں یا پھر ہمارا اور آپ کا مقابلہ ہوگا"۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد یا بروایتے ان کی موجودگی میں ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بلوا کر قریش کی شکایت کا ذکر کیا اور کہا: "بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ نہ میں اسے اٹھا سکوں اور نہ تم اس کو اٹھا سکو، لہٰذا اپنی قوم سے ایسی باتیں کہنا چھوڑ دو جوان کو ناگوار گزرتی ہیں"۔ یہ گفتگو سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چچا جان! اگر سورج میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر بھی رکھ دیا جائے تو میں یہ کام نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ یا تو اللہ اسے کامیاب کردے یا میں اس راہ میں ہلاک ہو جاؤں"۔ (۴۷)

بالمشافہ گفتگو:

ان متعدد وفود کے علاوہ قریش کے سرداروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ بھی بات چیت کی، آپ ﷺ کو مال و زر کی پیش کش کی، سرداری دینے اور مکہ کا بادشاہ بنانے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن آپ ﷺ نے انھیں یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ: "مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر ایک کتاب اتاری ہے، اور مجھے حکم دیا ہے کہ بشیر (خوش خبری دینے والا) اور نذیر (عذاب سے ڈرانے والا) بنوں، میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا، اب اگر تم اسے قبول کرلو جو میں تمہارے لئے لایا ہوں تو وہ تمہارے لئے دنیا اور آخرت میں خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے رد کرتے ہو تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا، یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے"۔ اس پر کفار قریش نے آپ ﷺ سے طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کیا جس پر آپ ﷺ نے ان کفار سے فرمایا: میں ان کاموں کے لئے تمہارے پاس نہیں بھیجا گیا ہوں، میں نے وہ باتیں پیش کردی ہیں جن کے لئے مجھے اللہ نے بھیجا ہے"۔ (۴۸)

قریش کی جھوٹ کی مہم:

ان تمام تدبیروں اور تعذیبوں کی ناکامی کے بعد کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹ کی ایک مہم شروع کردی تاکہ لوگ آپ ﷺ سے بدگمان ہو جائیں اور نفرت کرنے لگیں، ان کفار میں سے کوئی یہ کہتا کہ محمد شاعر ہیں، ان کی بات نہ سنو، کوئی کہتا کہ یہ کاہن ہیں، کوئی کہتا کہ ساحر اور جادو گر ہیں، اور کوئی یہ کہتا کہ کسی نے محمد ﷺ پر جادو کردیا ہے، غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مکہ کے ہر

گلی کوچے میں اس طرح کی جھوٹی باتیں مشہور کی گئیں، جن سے نہ صرف یہ کہ مکہ کے عام لوگ یہ باتیں سنتے بلکہ باہر سے زیارت کعبہ کی غرض سے اور تجارت کے لئے آنے والے بھی یہ باتیں سنتے تھے، اس سے کفار کی منشا یہ تھی کہ یہ نووارد نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں اور نہ آپ ﷺ کی باتیں سنیں اور یوں اسلام وتوحید کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچ پائے، اس کے بعد حج کا موسم آیا، اس میں کفار نے بطورِ خاص یہ اہتمام کیا کہ حاجیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آنے دیا جائے تا کہ وہ آپ کی بات سن کر مسلمان نہ ہو جائیں، لیکن جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے، قریش کے یہ سارے ہتھکنڈے دھرے کے دھرے رہ گئے۔(۴۹)

حبشہ کی پہلی ہجرت:

مسلمانوں کی پامردی سے کفارِ مکہ میں اذیت کوشی وستم شعاری کے جذبات کو اور بڑھاوا ملا، انہوں نے ظلم میں شدت کردی اور مسلمانوں کو سخت سے سخت عذاب دینے لگے، یہ دیکھ کر کہ ان اذیتوں سے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں اور نہ اسلام لانے والے اشخاص، آپ ﷺ نے یہ مناسب خیال کیا کہ مسلمان کہیں اور چلے جائیں، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اگر ہو سکے تو حبشہ چلے جاؤ، وہاں ایک ایسے بادشاہ کی حکومت ہے جس میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، چنانچہ کچھ مظلوم مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا، یوں بعثت نبوی کے پانچویں سال گیارہ مردوں اور چار خواتین نے اپنے گھربار چھوڑ کر حبشہ کی جانب ہجرت کی، قریش کے لئے ملک حبش کوئی اجنبی ملک نہ تھا، ان کے تجارتی قافلے صدیوں سے حبش جاتے تھے اور ان کے اہل حبش سے تجارتی روابط تھے، اس کے علاوہ جنوبی عرب کے خطۂ یمن پر حبش والوں کی حکومت رہ چکی تھی، اور اس سے بھی مکہ والوں کے تعلقات تھے جس وقت مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کا مشورہ دیا گیا، وہاں ایک منصف اور عادل حکمراں (نجاشی) برسرِ اقتدار تھا اور اس کی حکومت میں مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض ادا کرسکتے تھے، اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی اور اس کی بنیاد مذہبی تھی کیونکہ مسلمانوں کو مکہ میں جس بات کی اجازت نہ تھی وہ قرآن پڑھنے، عقائدِ اسلام کی تبلیغ کرنے اور علی الاعلان مسجد حرام میں نماز ادا کرنے کے اعمال تھے، بہر کیف یہ لوگ رجب ۵ نبوی میں مکہ سے حبشہ کے لئے روانہ ہوئے اور ساحلی شہر سے کشتی کے ذریعے حبشہ پہنچ گئے، کفارِ قریش نے ان مہاجرین کا تعاقب کیا، لیکن انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی اور یہ سب کے سب بہ سلامت حبشہ پہنچ کر وہاں شوال کے مہینے تک مقیم رہے اور پھر بوجوہ مکہ واپس آگئے جہاں انھیں دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں

زیادہ مصیبتیں اٹھانی پڑیں، حبشہ کی اس پہلی ہجرت میں شامل افراد کی تعداد اور ان کے ناموں میں کسی قدر اختلاف ہے، بلاذری نے انساب الاشراف میں مہاجرین حبشہ کی تفصیلی فہرست دی ہے، ہمارے نزدیک یہ فہرست صحت سے زیادہ قریب ہے، ویسے دوسرے راویوں کی پیش کردہ فہرست اور بلاذری کی فہرست میں ایک دو ناموں سے زیادہ کا فرق بھی نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ راویوں نے حبشہ کی ہجرت اولیٰ وہجرت ثانیہ کے مہاجرین میں سے ایک دو حضرات کو دونوں ہجرتوں میں شریک سمجھ لیا ہے جو محض غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے، بہر کیف حبشہ کے مہاجرین ہجرت اولیٰ کے نام ہیں:

۱۔ بنو امیہ میں سے حضرت عثمانؓ بن عفان اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ،

۲۔ بنو ربیعہ بن عبد شمس سے حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہؓ بنت سہیل قرشیہ،

۳۔ بنو اسد بن عبد العزیٰ میں سے حضرت زبیرؓ بن عوام بن خویلد،

۴۔ بنو عبد الدار سے حضرت مصعبؓ بن عمیر،

۵۔ بنو زہرہ بن کلاب سے حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف،

۶۔ بنو مخزوم میں سے حضرت ابو سلمہ عبد اللہؓ بن عبد الاسد، ان کے ساتھ ان کی زوجہ حضرت ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ مخزومیہ بھی تھیں،

۷۔ بنو جمح میں سے حضرت عثمانؓ بن مظعون،

۸۔ بنو عدی میں سے حضرت عامرؓ بن ربیعہ عنزی حلیف خطاب بن نفیل اور ان کی زوجہ حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ عدویہ،

۹۔ بنو عامر بن لوئی میں سے حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رہم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی، اور حضرت حاطبؓ بن عمرو بن عبد شمس،

۱۰۔ بنو حارث بن فہر میں سے حضرت سہیلؓ بن بیضاء،

اس طور سے مہاجرین حبشہ کے اس پہلے کارواں میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں اور ان سبھی کا تعلق قریش کے قبیلے سے تھا۔(۵۰)

مہاجرین حبشہ کی واپسی:

ان مہاجرین کے حبش جانے کے تیسرے مہینے یعنی رمضان ۵ نبوی میں انھیں یہ اطلاع ملی کہ قریش مکہ نے اسلام قبول کرلیا ہے اور اب ان سے کوئی تنازعہ باقی نہیں رہ گیا ہے، یہ خبر سن کر ان لوگوں نے حبش میں قیام کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور شوال کے مہینے میں وہاں سے مکہ کے لئے روانہ ہوگئے، جب یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچے تو انھیں اس خبر کے غلط ہونے کا پتا چلا، چنانچہ وہ مختلف سرداران قریش کی پناہ میں شہر میں داخل ہوئے۔(۵۱)

قصہٗ غرانیق کی بے اصلی:

جس واقعے کی وجہ سے مہاجرینِ حبشہ مکہ واپس آگئے اسے ''قصہ غرانیق'' کا نام دیا گیا ہے، اور وہ یوں ہے کہ ایک دن حرم میں قریش کے ایک بڑے مجمع کے سامنے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کی تلاوت کی، کلام کی تاثیر سے حاضرین پر ایسا کیف طاری ہوا کہ وہ دم بخود ہو کر خاموشی سے اسے سنتے رہے اور جب سورت کے اختتام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو پورے مجمع نے بھی سجدہ کیا، ان سجدہ کرنے والوں میں قریش کے بڑے بڑے سردار اور اسلام کے سخت دشمن بھی تھے، مثلاً ولید بن مغیرہ اور سعید بن عاص وغیرہ، اس واقعے کے بعد قریش کو اپنی اس حرکت پر ندامت ہوئی اور انھوں نے یہ جھوٹ جوڑا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے انھوں نے یہ الفاظ سنے تھے:

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی۔

قریش کے بت لات منات وعزیٰ بلند مرتبہ ہیں اور اللہ کے ہاں ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔

یہ سن کر انھوں نے یہ سمجھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے طریقے پر واپس آگئے ہیں سو وہ سجدے میں گر گئے، حالانکہ سورۃ النجم کے سیاق و سباق میں یہ فقرے بے جوڑ ہیں اور وہاں ان کے اضافے کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے۔(۵۲) اس بے تکے جوڑ اور بے اصل اضافے کی وضاحت کی غرض سے سورۃ النجم کا متعلقہ ترجمہ درج ذیل ہے۔

پھر تم نے کچھ غور بھی کیا، ان لات اور عزیٰ پر اور تیسری ایک اور (دیوی) مناۃ پر، کیا تمہارے لئے تو ہوں بیٹے اور اللہ کے لئے ہوں، بیٹیاں یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے، دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے

باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی، لوگ محض گمان اور من مانے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے صحیح رہنمائی آ گئی ہے۔ (۵۳)

اب اگر آیت قرآنی میں ''مناۃ'' کے بعد کفار کے ایزادیعنی ''یہ بلند پایہ دیویاں ہیں، ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے'' کو شامل کر لیا جائے تو قرآن کا سیاق وسباق الٹ جائے گا، اللہ تو یہ فرما رہا ہے کہ ''کفار اپنے لئے بیٹے اور اللہ کے لئے بیٹیاں (وہ لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے) مان کر بے انصافی وظلم کا ارتکاب کرتے ہیں، لات وعزیٰ ومناۃ چند موہوم نام ہیں ان کی کوئی اصل نہیں وہ مفروضے ہیں جو کفار کے اپنے ذہنوں کی اختراع ہیں اور وہ لوگ محض گمان فاسد اور من گھڑت خیالات کی پیروی کر رہے ہیں'' لیکن یہ مجہول اور بناوٹی ایزادیہ بتا رہا ہے کہ ''لات، عزیٰ اور مناۃ بلند پایہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت ضرور حق اور روا مانی جائے گی''۔ یہ صریح تضاد ہے اور یہی اس قصے کی بے حقیقتی، اور کذب کی برہان قاطع و دلیل ساطع ہے، قرآن کے صریح سیاق وسباق کی خلاف ورزی اور اسلامی عقائد کی واضح ہدایات کی تردید کے بعد اس قصے کو سیرو تاریخ وتفسیر کی کتابوں میں بیان کرنا، اس کے طرق واسانید پر جرح کرنا اور اس کی بے اصلی ثابت کرنا محض تضیع اوقات اور کذابین ووضاعین کی ہمت افزائی ہے، یہ قصہ اس قابل بھی نہیں کہ اسے کتب سیرت میں نقل کیا جائے، اور اسے موضوع بحث بنایا جائے، جو بات طے شدہ ہے وہ یہ ہے کہ ہر روایت خواہ اس کے رجال کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں، خواہ اسے کسی مؤقر ومعتبر کتاب میں درج کیا گیا ہو اور خواہ اس کے طرق واسانید کتنے ہیں متعدد وموثق ہوں، اگر وہ قرآن کے خلاف ہے اور اگر وہ اسلام کے مسلمات سے متصادم ہے تو درخور اعتنا نہیں، اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دینا چاہئے، دراصل قصہ غرانیق کو بے احتیاط راویوں نے محض قصہ گوئی اور کذب وافترا کی غرض سے بیان کیا اور اٹھارہویں وانیسویں صدیوں کے مسیحی یورپ نے اسے اسلام کے خلاف اپنی غیر مشکور مساعی کی تکمیل کے لئے ایک مؤثر حربہ سمجھ کر خوب خوب پھیلایا، مگر ان کے تمام تر دجل وفریب کے باوجود قصہ غرانیق جعل محض اور وضع کاذب کے سوا کچھ اور نہیں، ہم نے اس بحث کو نہایت اختصار سے بیان کیا ہے، جسے تفصیل دیکھنی ہو وہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی ''سیرت سرور عالم'' جلد دوم میں یہ بحث دیکھے، نیز مصری مصنف محمد حسین ہیکل کی حیات محمد ﷺ اور مولانا شبلیؒ ومولانا سید سلیمان ندویؒ کی سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

قریش کے مظالم میں شدت:

حبشہ کے مہاجرین کچھ عرصے تک تو اپنے حامیوں کی وجہ سے کفار کے ظلم و ستم سے کسی حد تک محفوظ رہے، مسلمانوں کی پامردی میں کوئی فرق نہ آیا اور اسلام مکہ کے باہر بھی پھیلنے لگا اور یمنی قبیلے دوس کے طفیل بن عمرو دوسی، مضری قبیلے بنی غفار کے ابو ذر غفاری، بنو سلیم کے عمرو بن عبسہ سلمی، بنو ازد کے ضماد الازدی، یمن کے ابو موسیٰ اشعری وغیرہ مسلمان ہوئے تو قریش اس پر بہت غضب ناک ہوئے اور ان کے تشدد اور جفا کاری میں مزید اضافہ ہو گیا، جس سے مکہ میں مسلمانوں کا رہنا قریب قریب ناممکن ہو گیا۔(۵۴)

حبشہ کی دوسری ہجرت ٦ نبوی:

ان حالات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دوبارہ حبشہ کی جانب ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا، چنانچہ اس بار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نے مکہ میں اپنا گھربار چھوڑ کر سرزمین عرب سے باہر حبشہ کے ملک میں چلے جانے کا فیصلہ کیا، حبشہ کی دوسری ہجرت کے مہاجرین کی تعداد اور ناموں میں بھی روایتوں میں جزوی اختلاف ہے، لیکن مؤثق روایات کی رو سے ان مہاجرین حبشہ کی مجموعی تعداد ایک سو تین تھی، جس میں چھیاسی مرد اور سترہ خواتین تھیں، ان مہاجرین کی قبیلہ وار تقسیم مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ بنو ہاشم: دو (ایک مرد حضرت جعفر بن ابی طالب اور ایک عورت ان کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیس)

۲۔ بنو امیہ: بارہ (سات مرد، پانچ عورتیں) ان میں حضرت عثمان، ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، خالد بن سعید اور ام حبیبہ نمایاں ہیں۔

۳۔ بنو عبد شمس: ایک مرد (حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ)

۴۔ بنو نوفل: ایک مرد (حضرت عتبہ بن غزوان)

۵۔ بنو عبد العزیٰ: چار مرد (بشمول حضرت زبیر بن عوام)

۶۔ بنو عبد بن قصی: ایک مرد (حضرت طلیب بن عمیر)

۷۔ بنو عبد الدار: آٹھ (سات مرد ایک عورت) بشمول حضرت مصعب بن عمیر۔

۸۔ بنو زہرہ: سات (چھ مرد، ایک عورت) بشمول حضرت عبد الرحمان بن عوف، عبد اللہ بن مسعود

اور مقداد بن عمرو۔

۹۔ بنو تیم: تین (دو مرد ایک عورت)

۱۰۔ بنو مخزوم: نو (آٹھ مرد، ایک عورت) بشمول حضرت ابو سلمہ اور ان کی زوجہ حضرت ام سلمہؓ۔

۱۱۔ بنو جمح: سولہ (تیرہ مرد، تین عورتیں) بشمول حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت شرجیل بن حسنہ

۱۲۔ بنو سہم: چودہ (چودہ مرد) بشمول حضرت خنیس بن حذیفہ داماد حضرت عمر اور حضرت ہشام بن عاص برادر حضرت عمرو بن عاص۔

۱۳۔ بنو عدی: چھ (پانچ مرد، ایک عورت)

۱۴۔ بنو عامر بن لوئی: گیارہ (آٹھ مرد، تین عورتیں) بشمول حضرت ابو سبرہ بن ابی رہم اور حضرت سودہ بنت زمعہ۔

۱۵۔ بنو حارث بن فہر: آٹھ مرد بشمول حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت سہیل بن بیضاء۔

مہاجرین حبشہ کی اس فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کے ہر خاندان کے کسی مرد یا کسی عورت کا نام اس میں ضرور شامل ہے، اس وجہ سے قریش میں اس ہجرت سے ایک کہرام مچ گیا۔(۵۵)

حبشہ میں کفارِ قریش کی سفارت:

اس صورت حال کے تدارک کی غرض سے کفار قریش نے یہ سوچا کہ کسی طرح ان مہاجرین کو مکہ واپس لایا جائے، تاکہ خاندان میں انتشار کا خاتمہ ہو اور اسلام کی اشاعت پر بھی قدغن لگائی جا سکے، اس مقصد کے لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حبش کے عیسائی بادشاہ (نجاشی) کے ہاں ایک سفارت بھیجی جائے اور حبشی امراو تجار سے ان کے جو زمانۂ قدیم سے روابط ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر اسلام کو زک پہنچائی جائے، انہوں نے اپنے دو نہایت چرب زبان اور زیرک سرداروں کو اس سفارت کے لئے نامزد کیا اور ہر امیر و وزیر و نیز بادشاہ کے لئے حسب مراتب تحفے ساتھ کر دیئے، یہ دو قریشی سفیر تھے بنو مخزوم کے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور بنو سہم کے عمرو بن عاص بن وائل، یہ دونوں سفیر تحفے تحائف سے لدے پھندے مہاجرین حبشہ کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور ان کی حبش آمد کے جلد ہی بعد وہاں پہنچ گئے، انہوں نے ارکان حکومت کو تحفے پیش کر کے رام کر لیا کہ جب وہ بادشاہ کے دربار میں مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کریں، تو یہ امرا ان کی تائید کریں اور یوں مسلمانوں کو مکہ واپس لانے میں کامیاب ہو جائیں، قریش کے یہ سفیر دربار

میں حاضر ہوئے، تمام امرا و اعیان حکومت بھی موجود تھے، سفیروں نے بادشاہ سے عرض کیا "ہماری قوم کے چند نادان لوگ بھاگ کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں، یہ لوگ ہمارے دین سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، بلکہ انہوں نے ایک نیا دین گھڑ لیا ہے، ہماری قوم کے معززین نے آپ کے پاس ہمیں ان کی واپسی کی درخواست لے کر بھیجا ہے"۔ درباریوں نے اس کی تائید کی، مگر بادشاہ اس پر راضی نہ ہوا اور تحقیق حال کے لئے مہاجرین کو دربار میں طلب کیا اور ان سے اصل حقیقت معلوم کرنی چاہی، اصحاب رسول ﷺ کی نمائندگی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کی اور بادشاہ اور اس کے درباریوں کے سامنے ایک تقریر کی، ان کے الفاظ یہ تھے:

> اے بادشاہ! ہم ایک گم راہ قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، برائیوں میں مبتلا تھے، قطع رحمی کرتے تھے، عہد و پیمان کا پاس نہ کرتے تھے، ہم میں سے طاقت ور کم زور پر ظلم کرتا تھا اور کوئی انصاف کرنے والا نہ تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جس کے نسب، صداقت، امانت اور پاک دامنی کو ہم جانتے تھے، اس نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلایا، راست بازی، امانت داری، صلہ رحمی اور عہد و پیمان کی پاسداری کا حکم دیا، اور ہمیں بدکاری، جھوٹ اور یتیموں کا مال کھانے سے روکا، ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ اللہ کی جانب سے لایا تھا اس میں اس کی پیروی کی، اس پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی، اس نے ہمیں اذیتیں دیں، ہم پر دین کے معاملے میں سختیاں کیں اور ہمارے دین کے راستے میں حائل ہو گئی، تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے، آپ کی پناہ لی، آپ کے ہاں ظلم نہیں ہوتا اور آپ عدل و انصاف کرتے ہیں۔

حضرت جعفرؓ کی یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا کہ مجھے وہ کلام سناؤ جو تمہارے رسول پر اللہ کی جانب سے اتارا گیا ہے، اس کے جواب میں حضرت جعفر نے سورۂ مریم کا وہ حصہ سنایا جو حضرت یحیٰی و حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق تھا، انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا تھا۔ یہ جواب سن کر نجاشی مطمئن ہو گیا اور پادریوں کی مخالفت کے باوجود مسلمانوں کو حبش میں رہنے کی اجازت دے دی، یوں قریش کی یہ سفارت ناکام لوٹی۔ (۵۶)

بعض مہاجرین کی واپسی :

مہاجرین حبشہ کی بڑی تعداد حبش ہی میں رہی اور فتح خیبر کے موقع پر ۷ ھ میں مدینہ واپس آئی، اس میں بعد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری اوران کے ساتھی بھی شامل ہوگئے تھے، اور یہ سب ۷ ھ میں مدینہ آئے، لیکن ہجرت مدینہ سے پہلے بھی حبش کے ان مہاجرین میں سے کچھ لوگ مکہ واپس آگئے تھے، ان میں سے اکثر نے ہجرت مدینہ کے موقع پر مدینہ کی جانب ہجرت کی، اور کچھ ایسے بھی تھے جنھیں کفار قریش نے قید کردیا، اورانہوں نے بعد میں مدینہ ہجرت کی، ایسے لوگ چار تھے، بہرکیف وہ مہاجرین حبشہ جو مکہ واپس آگئے تھے ان کی کل تعداد انتالیس تھی جن میں سے تینتیس مرداور چھ خواتین تھیں، ان لوگوں میں نمایاں نام یہ ہیں: حضرت عثمان، حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوحذیفہ بن ربیعہ، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت مقداد بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوسلمہ، حضرت ام سلمہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم، حضرت سکران بن عمرو، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم اجمعین ۔(۵۷)

ہجرت حبشہ پر قریش کا ردعمل :

حبشہ کی ہجرت، مہاجرین کی واپسی میں قریش کی ناکامی اوراسلام کی اشاعت کے باعث قریش کی مخالفت میں اور شدت آگئی، ایک سو کے قریب مسلمان مرداورعورتوں کے مکہ سے چلے جانے کی وجہ سے مسلمانوں میں کسی حد تک ضعف بھی پیدا ہوگیا تھا، اس سے فائدہ اٹھا کر کفاراور کھل کھیلےاورانہوں نے مظالم واذیت دہی کے نئے سلسلے شروع کردیے، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہ لوگ ستانے لگےاور مسجد حرام میں آپ ﷺ کو قرآن پڑھنے یا نماز ادا کرنے سے انہوں نے روکنا شروع کیا، چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کے گلے میں چادرڈال کر کھینچا قریب تھا کہ آپ کا دم گھٹ جاتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی مشکل سے کفار کے ہاتھوں سے آپ ﷺ کو چھٹکارا ملا، اسی طرح ابوجہل نے اس زمانے میں آپ کو مقام حجون سے گزرتے ہوئے دیکھ لیااور بے تحاشا گالیاں دینا شروع کردیں ۔غرض کفار کے ظلم وتعدی میں برابر اضافہ ہوتا گیا مگر

اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم آگے ہی بڑھتے گئے، چنانچہ اس زمانے میں دو ایسے واقعات پیش آئے جن سے اسلام کو تقویت پہنچی اور کفار کی صفوں میں مزید انتشار پھیلا اور ان میں ضعف پیدا ہوا، یہ واقعات تھے حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے۔(۵۸)

حضرت حمزہؓ کا اسلام:

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، عمر میں آپ ﷺ سے چار سال کے قریب بڑے تھے، اس کے علاوہ وہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے کہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے انھیں بھی چند روز دودھ پلایا تھا، ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب قرشیہ جناب آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں، اس رشتے سے حضرت حمزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی تھے، ان کا شمار قریش کے بہادروں میں ہوتا تھا، جس دن ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں، وہ شکار سے لوٹ رہے تھے، تیر کمان ساتھ تھے کہ عبداللہ بن جدعان تیمی کی ایک باندی نے انھیں اس واقعے کی خبر دی، وہ یہ سن کر غصے میں بھرے ہوئے ابوجہل کو تلاش کرتے ہوئے صحن حرم میں پہنچے، وہاں وہ بیٹھا ہوا تھا، جاتے ہی کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور پھر بولے ''تو محمد ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، میں بھی انھیں کے دین پر ہوں، تجھ میں ہمت ہو تو وہی گالیاں ذرا مجھے دے کر دیکھ'' اس پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، ابوجہل کے حامی بھی جمع ہو گئے مگر معاملہ رفت و گزشت ہو گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ بعثت نبوی کے چھٹے سال پیش آیا، ان کے اسلام سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی مسرت ہوئی۔(۵۹)

حضرت عمرؓ کا اسلام:

حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے تین دن بعد کفار قریش کو اس سے بھی بڑا صدمہ پہنچا، اور وہ یہ کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے اسلام قبول کرنے کی سعادت پائی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قریش کی شاخ بنو عدی کے سردار تھے، اور مکہ کی اعیانی ریاست میں سفارت کے منصب پر فائز تھے، سفارت کے منصب کی ذمہ داریوں میں دیگر قبائل سے رابطہ قائم کرنا، ان سے ''منافرۃ'' (فخر و مباہات اور قریش کی برتری کا اثبات) کرنا اور آپس کے اختلافات کو دور کرنا تھا، اس کے لئے طلاقت لسانی، انساب عرب سے واقفیت اور تاریخ قبائل سے باخبر ہونا از بس ضروری تھا اور یہ خوبیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں بدرجہا موجود

تھیں، وہ قریش کے رودار سرداروں اور بہادر وقوی افراد میں شمار ہوتے تھے، ایسے ممتاز شخص کا حلقہ بگوش اسلام ہوجانا، جہاں کفار قریش کے لئے ایک بڑا نقصان تھا وہیں مسلمانوں کے حق میں تقویت کا سبب تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مظالم اور اہل ایمان کی مظلومی کے پیش نظر اسی زمانے میں اللہ تعالٰی سے یہ دعا فرمائی تھی کہ: ''اے اللہ اسلام کو عمر سے معزز کر''۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''اے اللہ ابو جہل اور عمر میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو عزت بخش''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو ابھی چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت عمرؓ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق مشہور روایت جو اہل مدینہ کی ہے اسے ابن اسحاق نے یوں بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمر تلوار لے کر نکلے کہ آج (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کردیں گے، راستے میں انھیں ان کے قبیلے بنی عدی کے نعیم بن عبداللہ النحام ملے جو مسلمان ہو چکے تھے اور حضرت عمر کو ان کے اسلام کا حال معلوم نہ تھا، انہوں نے عمر سے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ یہ بولے میں محمد کو قتل کرنے جارہا ہوں، جنھوں نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے، ہمارے دین کی برائی کی ہے اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دی ہیں، نعیم نے کہا، عمر ہوش کے ناخن لو، اگر تم محمد ﷺ کو جان سے مارنے میں کامیاب بھی ہوگئے تو کیا ان کے خاندان والے بنو عبد مناف تمھیں زندہ چھوڑیں گے؟ تم اپنے گھر کی خبر لو، تمہارے برادر عم زاد سعید بن زید اور تمہاری بہن فاطمہ نے محمد ﷺ کا دین اپنا لیا ہے، ذرا ان سے تو نمٹ لو، یہ سن کر حضرت عمر اپنے بہنوئی اور بہن کے گھر آئے، وہاں خباب ابن ارت انھیں قرآن پڑھا رہے تھے، عمر کی آواز سن کر خباب گھر میں چھپ گئے، ان کی بہن نے اس کاغذ کو جس میں آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں، چھپالیا، مگر حضرت عمر دروازے کے قریب خباب کو قرآن پڑھتے سن چکے تھے، اس لئے گھر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے قرآن کی تلاوت کے بارے میں دریافت کیا، بہنوئی اور بہن کے انکار پر انہوں نے غصے سے کہا مجھے پتا چل گیا ہے کہ تم دونوں نے محمد ﷺ کا دین اختیار کرلیا ہے، یہ کہہ کر وہ بہنوئی سے الجھ پڑے اور انھیں مارنا شروع کیا، بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لئے آگے بڑھیں اور ان کی بھی پٹائی ہوئی جس سے ان کے چہرے سے خون بہنے لگا، دونوں میاں بیوی نے اب چلا کر کہا ہاں ہم نے محمد ﷺ کا دین قبول کرلیا ہے، تمہارے جی میں جو آئے کرو، ہم اپنے دین سے پلٹنے والے نہیں ہیں، بہن کا خون اور ان کی جرأت دیکھ کر عمر کا دل پسیج گیا، بولے جو تم لوگ پڑھ رہے تھے مجھے بھی تو دکھاؤ، بہن بولیں، تم کافر اور ناپاک ہو، یہ پاک کلام ہے تم اسے نہیں چھوسکتے، یہ سن کر حضرت عمر

نے غسل کیا اور بہن سے کاغذ لے کر قرآنی آیات پڑھیں اور بولے یہ کس قدر عمدہ اور نفیس کلام ہے، یہ سن کر خباب نکل کر سامنے آگئے اور بولے اے عمر مجھے امید ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ گے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے اسلام کی دعا کرتے سنا ہے، اس کے بعد حضرت عمر حضرت خبابؓ کی رہنمائی میں صفا کی گلی میں واقع ارقمؓ کے مکان پر آئے، انہوں نے دروازے پر دستک دی، بعض اصحاب کو یہ دیکھ کر کہ عمر تلوار لئے ہوئے ہیں، یہ خوف ہوا کہ وہ کسی خطرناک ارادے سے تو نہیں آئے ہیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دروازہ کھول دو، عمر اندر داخل ہوئے آپ ﷺ نے ان کی چادر زور سے پکڑ کر کھینچی اور فرمایا اے پسر خطاب کس ارادے سے آئے ہو؟ عمر پر نبوت کی پر جلال آواز سے لرزہ طاری ہو گیا، بولے اے اللہ کے رسول میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایمان لانے آیا ہوں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باآواز بلند تکبیر کہی، یہ سن کر دارارقم میں موجود لوگ یہ سمجھ گئے کہ عمر نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی دوسری روایت اہل مکہ کی ہے، اسے ابن اسحاق نے حضرت عمر ہی کی زبان سے یوں روایت کیا ہے کہ ”ہم لوگ رات کو چند احباب کے ساتھ بیٹھ کر مجلس آرائی اور بات چیت کرتے تھے، ایک دن حسب معمول میں گھر سے نکلا لیکن مجھے میرا کوئی ہم جلیس نہ ملا، میں نے سوچا کہ کعبے کا طواف کر کے گھر واپس چلتے ہیں، طواف سے فارغ ہو کر مسجد میں آیا، وہاں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز ادا کر رہے تھے، میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ آج محمد جو پڑھتے ہیں اسے سننا چاہئے۔ سو میں دبے پاؤں چل کر آپ ﷺ سے بالکل قریب پہنچ گیا میں نے ان کی تلاوت سنی، میرے دل میں گداز پیدا ہوا، میری آنکھیں بھیگ گئیں اور اسلام مجھ میں در آیا“، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر کے گھر جانے لگے تو حضرت عمر نے آہستہ آہستہ آپ ﷺ کے پیچھے چلنا شروع کیا، کچھ دور چلنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس ہوا کوئی ان کا تعاقب کر رہا ہے، پلٹ کر دیکھا تو عمر تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے انھیں سختی سے ڈانٹا اور دریافت کیا اے پسر خطاب رات کے اس وقت کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ، اللہ کے رسول اور جو کچھ وہ اللہ کے ہاں سے لائے ہیں ان پر ایمان لانے کی نیت سے آیا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اللہ کی حمد بیان کی اور کہا، اے عمر اللہ تمہیں ہدایت دے، پھر آپ ﷺ نے ان کے سینے پر دست مبارک پھیرا اور اسلام پر ان کی ثابت قدمی کی دعا فرمائی، اس کے بعد عمرؓ لوٹ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں چلے گئے۔

ابن اسحاق نے اسلام عمر سے متعلق ان دونوں یعنی مدنی و مکی روایتوں کو نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ

اللہ بہتر جانتا ہے، کہ اس میں سے کونسی روایت صحیح ہے، میرے خیال میں دونوں ہی روایات درست ہیں، مکی روایت سے متعلق واقعہ پہلے پیش آیا اور مدنی روایت والا واقعہ اس سلسلے کی اختتامی کڑی ہے، مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔(۶۰)

حضرت عمرؓ کے اسلام کے اثرات:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''عمر کے اسلام لانے سے قبل ہم لوگ کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جب عمر مسلمان ہوئے تو انہوں نے قریش سے لڑائی کی اور خود کعبہ کے قریب نماز ادا کی اور ہم سب نے بھی اُن کے ساتھ فریضۂ نماز ادا کیا''۔ انہی حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول صحیح بخاری میں روایت کیا گیا ہے کہ: ''جب سے عمر بن خطاب نے اسلام قبول کیا مکہ میں ہماری عزت میں برابر اضافہ ہوتا گیا''۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور خاص قریش کے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کروایا اور ان سے سخت لڑائی کی، ایک دفعہ وہ قریش سے برسرِ پیکار تھے کہ بنو سہم کے رئیس عاص بن وائل نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفت وگزشت کروا دیا، بہر کیف حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسلام کو قوت نصیب ہوئی اور کفارِ مکہ کو پے در پے ہزیموں کا منہ دیکھنا پڑا، یعنی مہاجرین حبشہ کو واپس لانے میں ناکامی، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام، ان ناکامیوں سے کفارِ مکہ سخت تاؤ میں آگئے اور انہوں نے اسلام، صاحبِ اسلام اور مکہ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی ایک اور گھناؤنی سازش تیار کی۔(۶۱)

آنحضرت ﷺ کا شعب ابی طالب میں محصور ہونا:

محرم ۷ نبوی میں قریش کے اکثر سرداروں نے باہمی مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ یا تو بنی ہاشم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کئے جانے کے لئے ان کے حوالے کردیں یا ان کا مقاطعہ کردیا جائے، جب ابو طالب نے قریش کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کردیا تو سردارانِ قریش نے ایک معاہدہ تحریر کیا جس پر قریب قریب سب ہی کے دستخط ثبت تھے، اس معاہدے کو مزید تقویت بخشنے کی غرض سے خانہ کعبہ میں آویزاں کردیا گیا، اس عہد میں قریش نے یہ اعلان کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد ﷺ کو ان کے حوالے نہ کردیں، اس وقت تک ان سے میل جول، شادی بیاہ، بات چیت اور خرید و

فروخت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا، اس صحیفے کی تیاری اور خانہ کعبہ میں اسے آویزاں کئے جانے کے بعد ابو طالب نے بنوہاشم اور بنومطلب کے افراد خاندان کو اپنی قیام گاہ شعب ابی طالب میں جو جبل ابوقبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی تھی بلا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع کرلیا، اور ان لوگوں کو آپ صلی اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور کردیا کہ مبادا کوئی بدبخت آپ ﷺ کو قتل کردے، بنوہاشم اور بنومطلب کے تمام افراد، خواہ کافر خواہ مومن شعب ابی طالب میں محصور ہوگئے، مگر ابولہب نے اپنے خاندان کی مخالفت کی اور مقاطعے میں کفار کے ساتھ شامل ہوگیا۔

محاصرے کی شدت:

شعب ابی طالب میں جناب رسول اللہ ﷺ کے محصور رہنے کی مدت تین سال ہے، یہ تین سال حد درجہ تکلیف، مصیبت اور آزار کے سال تھے، بنوہاشم اور بنی مطلب کو کسی طرح کا سامان خریدنے کی اجازت نہ تھی، کفار نے شعب ابی طالب کی اس قدر سخت ناکہ بندی کررکھی تھی کہ اشیائے خورد ونوش محصورین تک نہیں پہنچ سکتی تھیں، اگر باہر کے تاجر مکے آتے تو قریش جلدی کر کے ان کا تمام سامان خرید لیتے، تاکہ محصورین ان سے کچھ نہ خرید سکیں، محصورین کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہوگئی تھی کہ ان کے بھوکے بچوں کے رونے کی آوازیں شعب ابی طالب کے باہر سنی جاتی تھیں، محصورین صرف حج کے موقع پر اپنے محلے سے باہر نکلتے تھے۔

بعض کفار کی مدد:

محاصرے کے زمانے میں کچھ رحم دل وصلہ رحمی کرنے والے کفار نے محض خاندانی تعلق اور ذاتی رابطے کی بنا پر محصورین کی مدد کرنے سے دریغ نہ کیا، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی کو غلہ پہنچایا، اس پر ابوجہل نے اعتراض کیا، مگر ابوالبختری بن ہشام نے ابوجہل سے مار پیٹ کی اور حکیم بن حزام کا لایا ہوا سامان رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا۔ اسی طرح ہشام بن عمرو عامری قرشی بھی محصورین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا رہا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ اونٹ پر غلہ لاد کر رات کے وقت شعب ابی طالب میں اسے دھکیل دیتا جسے محصورین پکڑ لیتے اور غلہ اتار کر اونٹ کو واپس چھوڑ دیتے تھے، کفار قریش نے اسے دھمکیاں بھی دیں مگر ابوسفیان نے کہا چھوڑو، یہ ایک آدمی ہے جو اپنے قرابت داروں سے صلۂ رحمی اور ان کی مدد کررہا ہے۔

قریش کے مقاطعے کا خاتمہ:

قریش کے اس مقاطعے پر تین سال گزر گئےتو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو یہ بتایا کہ معاہدے کو دیمک چاٹ گئی ہے، اور اللہ کے نام کے سوا اس میں کچھ بھی باقی نہیں ہے، اس دوران میں قریش کے بعض سرداروں نے کہ بنو ہاشم سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، آپس میں مشورہ کرکے مسجد حرام میں جا کر اس معاہدے کو ختم کر دینا چاہا، یہ لوگ تھے، ہشام بن عمرو عامری کہ نضلہ بن ہاشم کے اخیافی بھائی کا بیٹا تھا، زہیر بن ابی امیہ مخزومی جو ابو طالب کا بھانجا تھا، مطعم بن عدی کہ بنو نوفل بن عبد مناف کا سردار تھا، ابو البختری عاص بن ہاشم کہ بنو عبد العزیٰ کا رئیس اور حضرت خدیجہ کے خاندان سے تھا، زمعہ بن اسود کہ وہ بھی حضرت خدیجہ کے خاندان بنو عبد العزیٰ سے تعلق رکھتا تھا اور بنو سہم کا عدی بن قیس، یہ لوگ مسجد حرام میں مسلح ہو کر پہنچے اور ان میں سے زہیر بن ابی امیہ مخزومی نے قریش کے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا: ''اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے، ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو کھانا بھی نصیب نہ ہو؟ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کردیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا''۔ ابو جہل نے مخالفت کی مگر اس کی بات کسی نے نہ سنی اور وہ کرم خوردہ معاہدہ چاک کر دیا گیا، پھر یہ لوگ شعب ابی طالب گئے اور بنو ہاشم کو وہاں سے نکال لائے۔(۶۲)

ہم نے شعب ابی طالب میں محصوری سے متعلق ابن ہشام، ابن سعد، بلاذری، طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر کی روایتوں کو نہایت اختصار کیساتھ سطور بالا میں بیان کر دیا ہے لیکن یہاں چند اشکال ہیں، جنہیں روایات سے سلجھانا بظاہر مشکل نظر آتا ہے، ہم ذیل میں انھیں بیان کرتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظتِ نفس پر تمام افراد بنی ہاشم و بنی مطلب، خواہ کافر خواہ مومن کمر بستہ ہو گئے، صرف ابو لہب ان سے الگ تھلگ رہا، جبکہ بنو ہاشم میں صرف حضرت حمزہ اور نوعمر حضرت علی مسلمان ہوئے جب کہ تمام افراد اسلام کے دائرے سے باہر تھے، بنی مطلب میں صرف ایک بزرگ حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب ایمان لائے، یوں ان دونوں خاندانوں میں ہجرت مدینہ تک یہی تین مسلمان مکہ میں تھے جبکہ چوتھے صاحب حضرت جعفر بن ابی طالب حبشہ میں تھے، اس طور سے روایات ہمیں یہ باور کرا رہی ہیں کہ صرف تین مسلمانوں نے دین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی، بقیہ لوگ جنہوں نے گیارہ سال کے طویل عرصے میں بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، محض خاندانی پچ کی خاطر اللہ کے رسول کی حمایت وحفاظت میں تین سال تک سینہ سپر رہے، اور مصیبتوں کی کڑیاں جھیلتے

رہے، اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کو کفار کی حمیت جاہلیہ کی حفاظت میں چھوڑ دینا صریحاً اسلامی تعلیمات اور نص قرآنی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا، اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے، وہ کافروں کو آپ کے مقابلے میں کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا۔ (۶۲/الف)

۲۔ روایات سے یہ پتا نہیں چلتا کہ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے، انہوں نے شعب ابی طالب میں اپنے رسول کی کیا خدمت کی اور اس محاصرے کی سختیوں سے انھیں کیوں دو چار نہ ہونا پڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے وقت کم از کم چالیس مسلمان مکہ میں ضرور موجود تھے، اگر اسلام عمر در ۶ نبوی اور حصار رسول ﷺ در شعب ابی طالب از ۷ تا ۱۰ نبوی کے درمیانی عرصے میں ایک شخص بھی مسلمان نہ ہوا ہو اور حبشہ سے واپس آنے والے ۳۰ سے زائد حضرات اس مدت میں نہ بھی آئے ہوں، تو یہ چالیس اصحاب جن میں حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق جیسے لوگ بھی شامل تھے، حصار رسول کی سہ سالہ مدت میں کہاں چلے گئے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت اور اسلام کی حفاظت کا بار ان لوگوں کے کندھوں پر ہونا چاہئے تھا نہ کہ کفار بنی ہاشم و بنی مطلب کے کاندھوں پر۔

۳۔ سہیلی (۶۳) کے ایک مندرجے سے معلوم ہوتا ہے کہ محصورین شعب میں حضرت سعد بن ابی وقاص بھی تھے، مولانا شبلیؒ نے اس اذیت کو جس کا حضرت سعد بن ابی وقاص کو سامنا کرنا پڑا تھا سیرۃ النبی ﷺ میں بیان کیا ہے، مگر ان کی نگاہ دوررس یہ نہ دیکھ سکی کہ شعب ابی طالب میں وہ کہاں سے آ گئے، جبکہ وہ نہ تو بنو ہاشم سے اور نہ بنو مطلب سے تعلق رکھتے تھے بلکہ بنو زہرہ سے ان کا نسبی تعلق تھا۔

۴۔ شعب ابی طالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محصور ہو جانے، تین سال تک فقر و فاقے کی اذیتوں سے دوچار رہنے اور معاشرتی مقاطعے کی تباہیوں سے بُری طرح متاثر ہونے کے دوران میں مکہ کا کوئی مسلمان نہ ابو بکر، نہ عمر، نہ سعد نہ زید، نہ نُعیم بن عبداللہ النحام وغیرہ اپنے پیارے نبی کا ساتھ دینے سامنے آیا اور وہ اپنے غیر مسلم اہل خاندان اور بعض دوسرے غیر مسلم ہمدردوں کے رحم و کرم پر رہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''حصار رسول'' کی روایتیں یہ تاثر دے رہی ہیں کہ اس طویل عرصے میں مکہ میں کوئی مسلمان تھا ہی نہیں، جو آپ ﷺ کی مدافعت کو آگے بڑھتا، جو اپنے مال سے آپ کی مدد کرتا اور رجو سامان

خوردونوش سے اسباب معاش فراہم کرتا۔

۵۔ان معروضات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تیرہ سالہ مکی دور میں تین سال ایسے بھی گزرے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہ تھا،ان کے یار، ناصر اور ہمدرد صرف کفار تھے،معلوم نہیں کلبی کی روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص کا نام کیسے آگیا؟ تو کیا یہ تاثر درست ہوسکتا ہے،غور کرنے کا مقام ہے۔ ہمارا یہ پختہ خیال ہے کہ یہ مقاطعہ تمام مسلمانوں کا تھا،جس میں بنو ہاشم و بنو مطلب کے مسلمان اور بعض نرم دل کفار بھی شامل تھے،حضرت سعد بن ابی وقاص کی موجودگی سے بھی ہمارے اس خیال کی توثیق ہوتی ہے،اور محاصرے کی یہ تین سالہ اذیت کے میں موجود تمام مسلمانوں نے برداشت کی اور وہ اس ابتلا میں نبی کریم علیہا لسلام کے ساتھ رہے۔

معجزہ شق القمر:

شعب ابی طالب میں محصوری کے زمانے میں ۹ نبوی میں کفار مکہ کے مطالبے پر ''شق قمر'' کا معجزہ ظاہر ہوا،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قمری مہینے کی چودھویں شب تھی کہ چاند یکا یک پھٹا اور دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا سامنے کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف نظر آیا، یہ کیفیت ذرا دیر رہی اور پھر دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے،رسول اللہ ﷺ اس وقت منیٰ میں تشریف رکھتے تھے،آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا، دیکھو اور گواہ رہو، کفار نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم پر جادو کردیا تھا''۔دوسرے لوگ بولے کہ''محمد ﷺ ہم پر جادو کرسکتے تھے،تمام لوگوں پر تو نہیں کرسکتے تھے،باہر کے لوگوں کو آنے دو،ان سے پوچھیں گے کہ یہ واقعہ انہوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں''۔باہر سے جب کچھ لوگ آئے تو انہوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کو دیکھنے کی گواہی دی،لیکن کفار قریش نے اس واضح نشانی کو بھی نہ مانا اور ایمان نہ لائے،قرآن مجید کی سورۃ القمر میں اس واقعے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:(۶۴)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (۶۴/الف)

قیامت کی گھڑی نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا، (مگر یہ لوگ) خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں،منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

ابو طالب کی وفات:

شعب ابی طالب میں محصوری اور قریش کے مقاطعے کے خاتمے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابو طالب اور زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے صدموں سے دوچار ہونا پڑا، حامی و مددگار چچا ابو طالب نے حسب روایت محمد بن سعد ۱۵/شوال ۱۰ نبوی میں انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر اسی سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا، حامی و مددگار تھے، انہوں نے بعثت کے ان دس سالوں میں بڑی پامردی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی اور ہر آڑے وقت میں انہوں نے اپنے عزیز ترین بھتیجے کا ساتھ دیا، اور اپنی تنگ دستی و خرابی صحت کے باوجود وہ کفار قریش کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے اور ان کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالنا اور آپ کو ظلم کا نشانہ بنانا مشرکین کے لئے آسان نہ تھا، ابو طالب کی وفات سے کفار کو چھوٹ مل گئی اور ان کی ایذا رسانی میں شدت آگئی، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کے یہ آخری تین سال بڑے کٹھن اور سخت گزرے۔ (۶۵)

حضرت خدیجہؓ کی وفات:

غم گسار، وفادار اور جاں نثار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب روایت ابن سعد ابو طالب کی وفات کے ایک مہینے پانچ دن بعد یعنی ۲۰/ذیقعدہ ۱۰ نبوی میں انتقال فرمایا، اس وقت عام روایات کی رو سے ان کا سن پینسٹھ سال تھا، جیسا کہ ہم اس سے پہلے ''نکاح خدیجہ'' کے عنوان کے تحت لکھ چکے ہیں، ان کی عمر اس سے کم ہونی چاہئے، حضرت خدیجہ کے انتقال سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت صدمہ پہنچا، مصائب و ابتلا کے پر ہجوم دور میں وہ آپ ﷺ کے لیے طمانیت و سکون کا سبب تھیں، گھریلو پریشانیوں سے آپ ﷺ بے پرواہ ہو کر دین کی تبلیغ میں مشغول تھے، مگر عزیزہ بیوی کے اٹھ جانے سے آپ ﷺ کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہوگیا، اسی لیے چچا اور بیوی کے انتقال کے سال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عام الحزن'' یعنی غم و رنج کا سال کہا ہے۔ (۶۶)

حضرت سودہؓ سے نکاح:

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ یہ پیدا ہوگیا کہ گھر میں دو بیٹیاں حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تنہا رہ گئیں، آپ

ﷺ اس پرآشوب زمانے میں فریضۂ رسالت کی انجام دہی کے سلسلے میں اکثر اوقات گھر سے باہر رہتے تھے، اس لیے لڑکیوں کی نگرانی کی غرض سے قریش ہی کی ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ سے آپ ﷺ نے نکاح کرلیا، حضرت سودہ اور ان کے شوہر حضرت سکران بن عمرو نہایت قدیم الاسلام تھے، دوسری ہجرت حبشہ کے زمانے میں حبشہ یا مکہ میں حضرت سکران کا انتقال ہو چکا تھا، اس لیے حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہ سے نکاح کرلیا تا کہ گھر میں لڑکیوں کی دیکھ بھال ہو سکے، اکثر روایات کے مطابق حضرت خدیجہ کے بعد ہی حضرت سودہ سے رسول اللہ کا نکاح ہوا تھا۔(۶۷)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح:

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد اکثر روایات کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت سودہ بنت زمعہ سے اور ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نکاح کیا، مگر متعدد مفصل روایات کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پہلے ہوا اور ان کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن تھیں، اس لیے ان سے ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا، اور رخصتی ہجرت کے بعد ۲ ہجری میں ہوئی۔(۶۸)

شہر طائف کا تبلیغی سفر اور واپسی:

قریش مکہ سے ناامید ہونے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے جڑواں شہر طائف کا تبلیغی سفر کیا، آپ ﷺ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ بھی تھے، یہ سفر شوال ۱۰ نبوی کے بعد ہوا اور آپ ﷺ نے وہاں دس سے بیس دن تک قیام فرمایا، طائف میں مضری قبیلے قیس عیلان کی شاخ بنو ثقیف رہتی تھی، طائف کی عمدہ آب و ہوا، زرخیز زمین اور سرسبز وادی کے سبب ثقیف نہایت خوش حال تھے، کھجور کے نخلستانوں، انگور کے تاکستانوں اور غلے کے کشت زاروں کی وجہ سے یہ خطہ سرزمین عرب میں قدرت کی فیاضی کا اعلیٰ نمونہ اور فطرت کی نادرہ کاری کی بہترین مثال تھا، یہاں کے سردار دولت کی فراوانی، مادی خوش حالی اور قبائلی عصبیت کے باعث نہایت سرکش، شورہ پشت اور متکبر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں قیام کے دوران میں یہاں کے قریب قریب ہر رودار شخص سے ملے جن میں بنو عمرو بن عمیر بن عوف کے تین سردار عبد یا لیل، مسعود اور حبیب بھی تھے ان میں سے کسی نے بھی حق کی آواز پر کان

نہ دھرا بلکہ الٹے اپنے ہاں کے اوباشوں اور بازاریوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا، انھوں نے آپ پر پتھر برسائے جس سے آپ ﷺ کے گھٹنے اور ٹخنے بری طرح زخمی ہوگئے اور جوتیاں خون سے بھر گئیں، آپ ﷺ کے ساتھی حضرت زید بن حارثہ کا سر پھٹ گیا، آخر ان بدبختوں کی یلغار سے بچ کر آپ ﷺ نے انگور کے ایک باغ میں پناہ لی، یہ باغ مکہ کے ایک رئیس عتبہ بن ربیعہ کا تھا، اس نے جو یہ حال دیکھا تو خاندانی حمیت کے سبب اپنے نصرانی غلام عداس کے ہاتھ ایک کشتی میں رکھ کر انگور کا ایک خوشہ بھیجا، عداس کو اللہ نے توفیق بخشی اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا، جبکہ سرداران ثقیف اپنی کورباطنی کے سبب اسلام سے دور ہی رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں سفر طائف کا واقعہ نہایت دردانگیز ہے۔ (۶۹)

مطعم بن عدی کی پناہ:

طائف سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن نخلہ میں قیام کیا، پھر حرا تشریف لائے، یہاں بنوخزاعہ کے ایک شخص کے ذریعہ مطعم بن عدی کو اپنا پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو؟ مطعم نے آپ ﷺ کی درخواست منظور کی، بیٹوں کو بلا کر کہا ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے، مطعم اونٹ پر سوار تھا، حرم کے پاس آیا تو پکارا ”میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے“۔ آپ ﷺ نے حرم میں نماز ادا کی پھر مطعم کے بیٹے آپ کو گھر لائے۔ (۷۰)

قبائل عرب میں ایک مرکز کی تلاش:

طائف کے دورے کی ناکامی اور سرداران بنوثقیف کی اذیت رسانی کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین ہوگیا کہ جس طرح قریش مکہ سے خیر کی کوئی توقع نہیں، اسی طرح ثقیف طائف سے بھی نیکی اور ہدایت کی امید نہیں کی جاسکتی، اس لیے آپ ﷺ نے دوسرے قبائل عرب کی طرف توجہ کی، اس غرض سے آپ ﷺ نے عکاظ ذوالمجاز اور مجنہ کے میلوں میں جمع ہونے والے قبائلی سرداروں میں اسلام کی تبلیغ شروع کی، اگرچہ آپ ﷺ اس سے پہلے بھی ان اجتماعوں میں جا کر لوگوں کو اللہ کی توحید کی دعوت دیتے تھے مگر طائف سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے لیے ایک دارالامن اور مرکز کی تلاش میں تھے اور اب آپ ﷺ کی دعوت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ عرب کے بعض بااثر قبائل اسلام کے پیغام کو قبول کرکے اپنی بستی کو مسلمانوں کا مرکز بنانے پر آمادہ ہوجائیں، تا کہ اس مرکز امن وسکون سے

اللہ کے دین کی اشاعت کی جا سکے اور مسلمان اطمینان قلب کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکیں، اس لیے اب آپ ﷺ سرداران قبائل سے ملتے، ان سے اسلام کی دعوت قبول کر لینے کو کہتے اور یہ بھی فرماتے کہ اس دعوت کے کام میں میری مدد کرو کیونکہ قریش مکہ نے مجھے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے سے روک دیا ہے، ہجرت مدینہ سے پہلے آپ ﷺ جس قبیلے سے ملتے اُس سے یہی فرماتے تھے، اس موقع پر ابوجہل، ابو لہب اور دوسرے شیاطین آپ کے ساتھ لگے رہتے اور انھیں خبردار کرتے رہتے تھے کہ وہ لوگ آپ ﷺ کی بات نہ سنیں، کبھی کبھی یہ بدمعاش آپ کو پتھر سے مارتے اور آپ پر خاک بھی پھینکتے تھے، ان مخالفتوں کے باوجود آپ ﷺ برابر قبائل میں تبلیغ دین کرتے اور اسلام کے لیے ایک دارالامن کی تلاش میں مصروف رہتے تھے، لیکن دین کی نصرت، اللہ کے رسول کی حمایت اور حق کی سربلندی کی نعمتِ لازوال ان بدبخت قبائل کے نصیب میں نہیں تھی، اس کے لئے اللہ کے ہاں سے یثرب کے اوس اور خزرج کا انتخاب ہو چکا تھا، ان کے شہر کو مدینۃ الرسول اور انھیں انصار (حامیان اسلام) کا اعزاز حاصل ہونا تھا اور ہوا۔

قصہ مختصر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلے میں قبائل کندہ، بنو کلب، بنو بکر بن وائل، بنی شیبان، بنی حنیفہ، عبس اور بنو سُلیم سے ملے، بعض دیگر قبائل سے بھی آپ ﷺ کا رابطہ رہا، مگر یہ سارے قبائل یا تو قریش کے بہکاوے میں آ گئے یا پھر خود اپنی انا اور کج فطرتی کے سبب اسلام لانے اور اپنے وطن کو مرکز اسلام بنانے سے دور رہے اور ہرچند کہ ان لوگوں کو بعد میں اپنی بدفطرتی پر افسوس ہوا، لیکن وہ افسوس اور ندامت بعد از وقت تھی۔ (۱۷)

۴۔ واقعہ اسراء و معراج

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا نہایت اہم واقعہ اسراء اور معراج ہے، اسراء کے معنی ہیں رات کو چلانے یا لے جانے کے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ محیر العقول سفر رات کو پیش آیا تھا، اس لئے اسے اسراء کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو اسی لفظ سے بیان فرمایا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ (۱)

پاک ہے وہ اللہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے اس مسجد تک جس

کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تا کہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔

معراج کا مادہ عُرج ہے، جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں، چونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان روایت کیا گیا ہے کہ "عُرِجَ بِی" یعنی مجھے اوپر چڑھایا گیا، اس کے لئے معراج کا لفظ استعمال کیا گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کمال کے دو حصے ہیں، ایک مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (القدس) تک اور دوسرا مسجد اقصیٰ سے ملکوت السماوات تک، پہلے حصے کو اسراء اور دوسرے حصے کو معراج سے تعبیر کیا گیا ہے، غلطی سے بعض راویوں نے ان دونوں سفروں کو دو مختلف واقعات سمجھ لیا ہے، جو دو مختلف موقعوں پر پیش آئے تھے، حالانکہ ایک ہی سفر کے دو حصے اور ایک ہی واقعے کے دو جز ہیں جو ایک ہی شب میں تسلسل سے پیش آئے تھے، اس طرح تعدد معراج اور اسراء کی روایتیں درست نہیں۔ (۲)

معراجِ انبیاء:

اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب بلند حاصل ہوتا ہے اور اس وقت ظاہری محسوسات کی تمام مادی شرائط منسوخ کر دی جاتی ہیں اور ارض وسما کے پوشیدہ مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آجاتے ہیں، وہ بارگاہ خداوندی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبے کے مناسب مقام پر فائز ہوتے اور مقربانِ بارگاہ الٰہی میں محسوب ہوتے ہیں، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام اس شرف سے مشرف کئے گئے تھے۔ (۳)

معراجِ محمدی ﷺ:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سردار انبیا اور سید اولاد آدم ہیں، اس لئے سفر معراج میں آپ کو اس مقام اعلیٰ تک پہنچایا گیا، جہاں تک اس سے پہلے کسی انسان کے قدم نہ پہنچے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان روحانی مناظر کا مشاہدہ کرایا گیا جو اب تک دوسرے مقربانِ بارگاہ قدس کی حد نظر سے باہر تھے، اور جہاں تک تا قیام قیامت کسی مقرب نبی یا رسول کے قدم نہ پہنچیں گے اور جہاں تک کسی کی نگاہ دور بین کبھی بھی نہ پہنچ سکے گی۔

معراج کا وقت اور تاریخ:

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی اور جمہور علمائے امت کی یہی رائے

ہے، واقعۂ معراج کی تاریخ اور سال کی تعیین میں بھی دشواری ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ صحیح دن اور تاریخ کا پتا لگانا نہایت مشکل ہے، تاہم تمام روایات کی تدقیق و جرح کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں، اسی جانب ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول ا ھ سے ایک سال یا ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے، امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے، لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعت عقبہ اور ہجرت سے متصلاً پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعۂ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے، اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ کم و بیش، معراج کا زمانہ متصل کرتے ہیں، ہمارے نزدیک قرآن مجید سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا، بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا، مہینے کی تعیین مشکل ہے، جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول ا ھ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں، ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول رہے گا، اور اگر عام و مشہور و معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال سات مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔(۴)

معراج کی صحیح روایات:

چوں کہ معراج کا واقعہ نہایت اہم ہے، ہماری مادی کائنات سے ماوراء اور انسانی عقل کی سرحد سے بالاتر ہے، اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس ضمن میں صحیح روایات پر اعتماد کیا جائے اور مرسل، موقوف، منکر و ضعیف روایات سے استناد نہ کیا جائے، واقعۂ معراج کے راویوں میں پینتالیس صحابہ کے نام آتے ہیں جن سے حدیث، سیرت اور تفسیر کی کتابوں میں روایتیں کی گئی ہیں، صحاح ستہ میں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں معراج کا واقعہ متفقاً بیان کیا گیا ہے، جنھیں سات اکابر صحابہ نے روایت کیا ہے، لیکن واقعہ معراج کا مسلسل و مفصل بیان حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے، مگر حضرت انسؓ کا بیان سب سے جامع اور مفصل ہے۔(۵)

ان میں مذکورالصدر تین اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی واقعۂ معراج کو امام بخاری کی روایت کے مطابق ہم بیان کرتے ہیں، ہم نے اس بیان کو کسی قدر اختصار سے قلم بند کیا ہے، مگر ضروری تفصیلات

قریب قریب بھی آگئی ہیں، یوں واقعہ معراج کے جوہری اجزا نمایاں طور پر واضح کردیئے گئے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت کعبہ کے مقام حطیم میں سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرئیل حاضر ہوئے ان کے ساتھ کچھ فرشتے اور بھی تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بارگاہ الٰہی سے طلبی کا فرمان پہنچایا، آپ کے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، پھر آپ کے سینے کو ہنسلی سے پیٹ تک چاک کیا گیا، شکم مبارک کو آب زمزم سے دھو کر حکمت وایمان سے بھر دیا گیا، اس کے بعد ایک سفید اور طویل جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، اس کا نام ''براق'' تھا، اس کا قدم حد نگاہ تک پڑتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سوار کرایا گیا اور آپ ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کے سفر پر روانہ ہوئے، جبرئیل آپ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ کی سواری بیت المقدس پہنچی، آپ براق سے اترے اور مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کی، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو پیالے لائے گئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ، آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ لے لیا، یہ دیکھ کر جبرئیل نے کہا: ''الحمد للہ کہ خدا نے آپ ﷺ کی فطرت کی طرف رہنمائی کی''۔ یہاں سے جبرئیل آپ ﷺ کو لے کر اوپر چڑھے اور آسمان دنیا (پہلے آسمان) پر پہنچے، یہاں جبرئیل نے دربانوں سے دروازہ کھلوایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر اندر داخل ہوئے، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو دیکھا جن کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیاں تھیں، جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتے تو ہنستے اور خوش ہوتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو روتے اور رنجیدہ ہوتے تھے، آں حضرت ﷺ کے دریافت کرنے پر جناب جبرئیل نے بتایا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، دائیں بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں جانب کی روحیں ان کی صالح اولاد کی ہیں اور جنتی ہیں جب وہ ان کی طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہو کر ہنستے ہیں اور بائیں جانب کی روحیں انکی بدکار اولاد کی ہیں اور یہ سب دوزخی ہیں، سو جب حضرت آدمؑ ان کی طرف دیکھتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے اور روتے ہیں، جبرئیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ﷺ انہیں سلام کریں، چنانچہ آپ نے سلام کیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کو دعائیں دیں، اس کے بعد جبرئیلؑ آپ کو دوسرے آسمان پر لے گئے، دربانوں نے دروازہ کھولا اور آپ ﷺ اندر داخل ہوئے، یہاں آپ کو دو صاحبان ملے، پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا کہ یہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں، ان دونوں سے سلام و دعا ہوئی، اس کے بعد حضرت جبرئیل آپ ﷺ کو تیسرے آسمان پر

لے گئے، دربانوں نے دروازہ کھولا اور آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے، یہاں جن صاحب سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی وہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے،ان سے بھی سلام و دعا ہوئی، اس کے بعد حضرت جبرئیل آپ ﷺ کو چرخ چہارم پر لے گئے، دربانوں نے دروازہ کھولا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت جبرئیل کے ہمراہ اندر داخل ہوئے، یہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے جبرئیل نے آپ ﷺ کی ملاقات کرائی، آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور خوش آمدید کہا، یہاں سے حضرت جبرئیل آپ ﷺ کو پانچویں آسمان پر لے گئے، یہاں حضرت ہارون علیہ السلام ملے، تعارف ہوا، سلام کا تبادلہ ہوا اور حضرت ہارون نے آپ کو مرحبا کہا، یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل چھٹے آسمان پر لے گئے، آپ اندر داخل ہوئے، یہاں ایک صاحب جو دراز قد اور گندمی رنگت کے تھے ملے، جبرئیل نے بتایا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور خوش آمدید کہا، بعد ازاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے، یہاں بھی دربانوں نے دروازہ کھولا اور آپ اندر داخل ہوئے، یہاں آپ ﷺ نے ایک مرد بزرگ کو دیکھا جو آپ ﷺ کے ہم شبیہ تھے اور بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں، آپ ﷺ نے انہیں سلام کیا اور پدر محترم نے دعا دی پسر بلند اختر کو خوش آمدید کہا اور اظہار مسرت کیا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیت المعمور کو بلند کیا گیا، اور آپ ﷺ کو جناب جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ تک لائے، یہ مقام نیچے سے اوپر جانے والوں کی آخری حد اور اوپر سے نیچے آنے والوں کی پہلی حد ہے، یہاں شان خداوندی کا ظہور اور ہر سمت جلوۂ ربانی کا پرتو تھا، یہاں پہنچ کر حضرت جبرئیل اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ ﷺ کے سامنے نمودار ہوئے، پھر شاہد مستو یا زل نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

اس وقت بارگاہ الٰہی سے آپ ﷺ اور آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ملا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پچاس وقتوں کی نماز فرض کی گئی ہے، حضرت موسیٰ نے کہا آپ کی امت ہر روز پچاس وقتوں کی نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی، آپ اللہ تعالیٰ سے اس میں تخفیف کرائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے جا کر اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی درخواست کی، وہ قبول ہوئی اور تین یا پانچ بار کی درخواستوں کے بعد روزانہ پانچ وقتوں کی نماز رہ

گئی، بارگاہ قدس سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامات اعلیٰ جنت و دوزخ کی سیر کرائی گئی، اور آپ کو متعدد آیات الٰہیہ ونشانات قدسیہ دکھائے گئے، اس کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا، آپ ﷺ مسجد اقصیٰ تشریف لائے، یہاں نماز فجر کی صفیں کھڑی تھیں چنانچہ تمام انبیا نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔

اس معراج کے سفر میں فرضیت نماز پنج گانہ کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی سے دو عطایا مرحمت فرمائے گئے، ایک سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد وایمان کی تکمیل اور دور مصائب کے خاتمے کی بشارت ہے، دوسرا عطیہ یہ ملا کہ امت محمدی ﷺ میں سے ہر شخص جو شرک کا مرتکب نہ ہوا وہ کرم خداوندی ومغفرت الٰہی سے سرفراز ہوگا۔ ان تمام منازل کے طے کئے جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں صبح کے وقت آئے۔ (۲)

واقعہ معراج کا بیان جو سطور بالا میں پیش کیا گیا وہ صحیحین کی روایات کے مطابق ہے لیکن دوسری سیر وحدیث کی کتابوں میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں، وہ موثق ومعتبر نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض قصے اور اضافے تو سرتاپا لغو اور باطل ہیں، اس لئے ہم نے انہیں قلم زد کر دیا ہے اور کوشش کی ہے کہ صحیح روایات سے ثابت واقعہ سپرد قلم کیا جائے۔

تکذیبِ کفار:

خانۂ کعبہ کے آس پاس روسائے قریش کی نشست رہتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرما تھے، صبح کے وقت ان سے واقعہ معراج کو بیان کیا تو ان کو سخت تعجب ہوا اور انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی، قریش تاجر تھے، بیت المقدس آتے جاتے رہتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیت المقدس نہیں گئے ہیں، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے نقشے اور اس کی ہیئت کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرنے شروع کر دیئے، آپ نے انہیں صحیح صحیح جواب دیئے، لیکن پھر بھی انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق نہ کی۔

حضرت ابوبکر صدیق کی شان تصدیق:

کفار مکہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تکذیب ہی نہ کی، بلکہ وہاں سے اٹھ کر حضرت ابوبکر کو اس واقعے کی اطلاع دی، انہوں نے سن کر کہا کہ اگر واقعی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ

واقعہ بیان کیا ہے تو ضرور سچ ہوگا، میں تو روزانہ سنتا ہوں کہ آپ ﷺ کے پاس آسمان سے پیغام آتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ (۷)

معراج جسمانی تھی یا روحانی:

آخر میں اس اختلاف کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی، حالت بیداری میں تھی یا عالم خواب میں، جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ معراج روحانی اور عالم خواب کی کیفیت تھی، ان کے دو استدلال ہیں، ایک قرآن کی سورۃ الاسراء کی آیت سے جس کا خاص تعلق اس واقعہ معراج سے ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (۸)

اور ہم نے جو رؤیا تمہیں دکھایا، اس کو ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش بنایا ہے۔

چونکہ عربی زبان میں عام طور سے ''رویاء'' کے معنی خواب کے ہیں، اس لئے ان لوگوں کا یہ استدلال ہے کہ معراج خواب کا واقعہ تھا، قائلین رویا و معراج روحانی کا دوسرا استدلال ان دو حدیثوں پر ہے، جنہیں محمد بن اسحاق کے واسطے سے حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کیا گیا ہے، ان میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ دونوں حضرات معراج کو روحانی اور رویائے صادقہ کہتے تھے، مگر یہ دونوں استدلال کمزور اور بے وزن ہیں، مذکورہ بالا آیت قرآنی سے متعلق صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ اس آیت میں رویا کے معنی مشاہدہ چشم کے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ واقعۂ معراج خواب نہ تھا بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قال هي رويا ء عين اريها رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اسرى به الى بيت المقدس۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ رویا آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا جب آپ کو رات کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس عربی لغت کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں اور اس ضمن میں ان کا قول حجت ہے، اس کے علاوہ عربی زبان میں اس کی متعدد مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً مشہور شعرا راعی اور متنبّی کے اشعار میں۔ جہاں تک معراج کے روحانی اور خواب ہونے کی تائید میں حضرت معاویہ اور حضرت عائشہؓ کی حدیثیں پیش کی گئی ہیں ان کے سلسلہ اسناد منقطع اور راوی مجہول ہیں، اس لئے وہ درجۂ

استناد سے ساقط ہیں۔(۹)

جمہور علما محدثین و متکلمین کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں ہوئی، بقول علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم:

> میرے نزدیک معراج کے بحالت بیداری کے ثبوت کا صاف صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کردے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا، کہ وہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا، قرآن پاک کے ان الفاظ میں **سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً** ''پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو ایک رات لے گیا'' میں کسی خواب کی تصریح نہیں ہے، اس طرح حضرت ابوذر کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں، اس لئے بے شبہہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا، اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی مجسم، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں، اس لئے زبان کے محاورۂ عام کی بنا پر اس کو بیداری کا واقعہ سمجھا جائے گا۔(۱۰)

اس کے علاوہ قرآن مجید کے الفاظ سے خود اس بات کا پتا چلتا ہے کہ سارا کا یہ واقعہ بڑا خارق عادت واقعہ تھا، جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا، ظاہر ہے، خواب میں کسی شخص کا اس طرح کی چیزیں دیکھ لینا، یا کشف کے طور پر دیکھنا یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اسے بیان کرنے کے لئے اس تمہید کی ضرورت ہو کہ ''تمام نقائص سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو یہ خواب دکھلایا یا کشف میں یہ کچھ دکھایا''۔ پھر یہ الفاظ بھی کہ ''ایک رات اپنے بندے کو لے گیا'' جسمانی سفر پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں خواب کے سفر یا کشفی سفر کے لئے ''لے جانے'' کے الفاظ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے، لہٰذا ہمارے لئے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا، بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔(۱۱)

معراج سے متعلق شاہ ولی اللہ کے افکار:

ہم اس بحث کو امام شاہ ولی اللہ دہلوی کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں، شاہ صاحب محدث بھی ہیں، متکلم بھی ہیں اور صاحب باطن صوفی صافی بھی، ان کے ہاں حال بھی ہے اور قال بھی:

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معراج میں مسجد اقصیٰ لے جایا گیا، پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں جہاں اللہ نے چاہا آپ ﷺ کو لے جایا گیا، اور یہ تمام جسم پاک کے لئے بیداری کی حالت میں ہوا۔ لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے درمیان ہے، اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے، اس لئے جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے، اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے، اس لئے ان واقعات میں سے ہر واقعے کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح کے واقعات حضرت حزقیل اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے لئے ظاہر ہوئے تھے، اور اس طرح کے واقعات اولیائے امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کے درجے کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے، جو رویا میں ان کو معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم''۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے، وہ معراج کو عالم برزخ کا واقعہ بتا کر معراج کے تمام واقعات کی تشریح فرماتے ہیں، جسے ان کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھا جا سکتا ہے، یہاں اس کے اعادے کی گنجائش نہیں ہے۔ (۱۲)

معراج میں جو ہدایات دی گئیں:

معراج کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو جو پیغام دیا وہ اس سورۃ الاسراء کی آیتوں میں محفوظ ہے، اس پیغام کو اس تاریخی پس منظر میں دیکھنا چاہیے کہ یہ ہدایات ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے دی گئی تھیں، اور انہیں اصول کے مطابق ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک اسلامی ریاست کی تشکیل ہوئی ہے اور انہیں کو حکومت الٰہیہ کی بنیاد بنا کر کام کرنا ہے یہ اصول چودہ ہیں، ہم انہیں ترتیب وار بیان کرتے ہیں:

۱۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کے علاوہ کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔

۲۔ انسانی حقوق میں سب سے اہم حق والدین کا ہے، اولاد کو ان کا خدمت گزار ہونا چاہئے۔

۳۔ اجتماعی زندگی میں تعاون، حق شناسی اور ہمدردی کا جذبہ کارفرما رہنا چاہیے، ہر ضرورت مند دوسرے انسانوں سے مدد پانے کا حقدار ہے، ہر مسافر کی مدارات کی جائے اور ہر قرابت دار دوسرے قرابت دار کا مددگار و ہمدرد ہو۔

۴۔ لوگ اپنی دولت کو غلط طریقوں سے ضائع نہ کریں، عیاشی، ریاکاری اور فسق و فجور میں اسے

نہ صرف کریں اور فضول خرچی سے بچیں۔

۵۔ دولت کے معاملے میں اعتدال سے کام لیں، بخل سے دولت کی گردش کو روک نہ دیں اور اسراف سے معاشی قوت کو برباد نہ کریں۔

۶۔ اللہ نے رزق کا جو نظام قائم کیا ہے، آدمی اپنی تدبیروں سے اس میں دخل انداز نہ ہو، اللہ نے اپنے بندوں کو رزق میں مساوی نہیں رکھا ہے، بلکہ ان کے درمیان فرق رکھا ہے، صحیح نظام معاش وہی ہے جو اللہ کے مقرر کردہ طریقے سے قریب تر ہو۔

۷۔ بچوں کی پیدائش اس ڈر سے روک دینا کہ کھانے والے بڑھ جائیں گے، اور معاشی وسائل تنگ ہو جائیں گے، بہت بڑی غلطی ہے۔

۸۔ زنا عورت اور مرد کے تعلق کی نہایت مکروہ صورت ہے، معاشرے میں اس کے اسباب کا سدباب ہونا چاہئے، اور اسے بند ہونا چاہئے۔

۹۔ انسانی جان کو اللہ نے قابل احترام ٹھہرایا ہے، کسی کو نہ اپنی جان ضائع کرنے کا حق ہے اور نہ کسی دوسرے کی، اللہ کی مقرر کی ہوئی یہ حرمت اسی وقت ٹوٹ سکتی ہے جبکہ اللہ ہی کا مقرر کردہ کوئی حق اس کے خلاف قائم ہو جائے، پھر حق قائم ہونے کے بعد بھی خوں ریزی اسی حد تک ہونی چاہئے جہاں تک حق کا تقاضا ہو۔

۱۰۔ یتیموں کے حقوق کی اس وقت تک حفاظت ہونی چاہئے جب تک وہ خود اپنے معاملات کو سر انجام دینے کے قابل نہ ہو جائیں، ان کے مال میں کوئی ایسا تصرف نہیں ہونا چاہئے جو خود ان کے مفاد میں نہ ہو۔

۱۱۔ عہد و پیمان کی پاسداری کرنی چاہئے خواہ وہ افراد کے مابین ہو یا اقوام کے درمیان، معاہدوں کی خلاف ورزی نہ کرنی چاہئے۔

۱۲۔ ناپ تول اور پیمانے صحیح رکھے جائیں۔

۱۳۔ ایسی بات کے درپے نہ ہو جس کے صحیح ہونے کا تم کو علم نہ ہو، اپنی سماعت، بینائی، نیتوں اور خیالوں کا تمہیں اللہ کے ہاں حساب دینا ہے۔

۱۴۔ زمین میں جباروں اور متکبروں کی چال نہ چلو۔ (۱۳)

دعائے ہجرت کی تلقین:

اسی سورۃ الاسراء میں اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دعا بھی سکھائی جسے دعائے ہجرت کہا جاسکتا ہے یعنی:

قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا○ (۱۴)

اے نبی دعا کرو کہ مجھ کو جہاں بھی تو لے جا، سچائی کے ساتھ لے جا، اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال، اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔

اس دعا کی تلقین سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اب ہجرت کا وقت قریب آچکا ہے، گویا واقعۂ اسراء و معراج جناب رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے اختتام اور مدنی زندگی کے آغاز کا پیش خیمہ ہے، یہ اعلان ہے کہ قریش کی سرکشی انتہا کو پہنچ چکی ہے، تمام نصیحتیں اور حجتیں بے سود ہو چکی ہیں، انہوں نے وعدۂ الٰہی کو وفا نہیں کیا، بت پرستی کی اور خانۂ کعبہ کو بتوں کی آلائشوں سے نجس کردیا ہے، اب نبی وہاں سے ہجرت کریں گے، قریش پر عذاب آئے گا، ان کا اقتدار ختم کردیا جائے گا، تولیت حرم ان سے چھین لی جائے گی، مکہ فتح ہوگا اور وہاں اسلامی تسلط قائم ہوگا، بتوں کی پوجا بند ہوجائے گی، اور خدائے واحد کی عبادت کی جائے گی۔ (۱۵)

مقام ہجرت کا دکھایا جانا:

سفر معراج میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ﷺ کا مقام ہجرت بھی دکھایا گیا، چنانچہ جب آپ براق پر سوار ہوکر مسجد حرام سے روانہ ہوئے تو اس سفر کی پہلی منزل یثرب (مدینہ) کا شہر تھا، یہاں اتر کر آپ ﷺ نے نماز پڑھی، جبرئیل نے آپ سے کہا، اس جگہ ہجرت کرکے آپ آئیں گے، اس کے بعد آپ ﷺ براق پر سوار ہوئے اور جبرئیل کے ہمراہ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ (۱۶)

امام بخاری کی روایت میں یہ ذکر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک ایسی سرزمین میں ہجرت کررہا ہوں جہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں، میرا ذہن اس طرف گیا کہ وہ جگہ یمامہ یا ہجر ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شہر یثرب ہے''۔ (۱۷)

یوں سفر معراج کے دوران میں اور پیام معراج کے ضمن میں آپ ﷺ کو ہجرت کی بشارت دی گئی،

دعائے ہجرت کی تلقین کی گئی اور مقام ہجرت پہلے خواب میں اور بعد ازاں مشاہدۂ چشم سے دکھایا گیا، اس طور سے واقعہ معراج مکی دور کے اختتام کا اعلان اور مدنی دور کے آغاز کا بیان ہے۔

۵۔ اوس اور خزرج کا اسلام

شہر یثرب:

مدینہ کا شہر مکہ سے تین سو میل اور ینبوع سے ایک سو تیس میل کے فاصلے پر ہے، یہ سطح سمندر سے چھ سو میٹر بلند ہے، شہر سے چار کلو میٹر کے فاصلے پر شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیسر ہے، مغرب میں حرۃ الوبرہ اور مشرق میں حرۃ الواقم ہے، یہ سیاہ پتھروں کا علاقہ ہے جن کو آتشیں سیال مادے نے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے، یہ سخت نوکیلے اور آڑے ترچھے ہیں اور میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں ان میں پیدل یا سواری سے گزرنا قریب قریب ناممکن ہے، شہر کے اردگرد وادیاں ہیں جہاں کھجور، انگور اور انار کے باغات اور گندم، جو اور سبزیوں کے کھیت ہیں، یہ اراضی جنوب میں قبا، عوالی اور عقیق میں واقع ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم اور سردیوں میں سخت سرد ہے، شہر کی وادیوں میں چشمے ہیں اور میٹھے پانی کے کنویں بھی موجود ہیں، جن سے آب پاشی اور آب نوشی کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں۔ (۱)

یہود یثرب:

بعثت نبوی ﷺ کے وقت مدینہ کا شہر حجاز کے تین اہم شہروں میں سے ایک اہم شہر تھا، ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے اس کا نام یثرب تھا، قدیم یونانی مورخین کے ہاں اس شہر کا ذکر ''یتھاربا'' کے نام سے ملتا ہے، قدیم عرب قبائل جنھیں ہم عرب بائدہ کے نام سے جانتے ہیں، اس شہر میں آباد تھے، پہلی صدی عیسوی کے خاتمے سے ذرا پہلے جب رومیوں نے یہودیوں کو پے در پے شکستیں دے کر منتشر کر دیا تو ان کے متعدد گروہ بڑی بے سروسامانی کے عالم میں حجاز میں آ کر بس گئے، انہوں نے رفتہ رفتہ اقتدار حاصل کرنا شروع کیا، مقامی عربوں میں شادی بیاہ اور شام سے مزید نقل مکانی کے باعث ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، یوں یہ اسرائیلی نسل کے یہود، عربوں کے اختلاط اور تبدیلی مذہب کی وجہ سے شمالی عرب میں تیزی سے پھیلتے گئے، تجارت، سودی کاروبار اور زراعت کے سبب ان کی مالی حالت مستحکم ہوتی اور

یثرب سے لیکر حدودِ شام تک خیبر، فدک، تبوک، تیماء، مدین، وادی القریٰ وغیرہ میں ان کی قلعہ بند بستیاں قائم ہوگئیں، جنوب میں یثرب کا شہر ان کی آخری سرحد تھا، یہاں یہود کے تین قبائل بنوقریظہ، بنونضیر اور بنو قینقاع آباد تھے، جو اپنی ثروت، تنظیم، تمدن اور کثرتِ تعداد کے سبب شہر میں بڑی اہمیت کے مالک تھے، ان کی بستیاں قلعہ بند تھیں، جنگی چال میں انہیں مہارت حاصل تھی اور سودی کاروبار و اقتصاد کی زنجیروں میں انہوں نے یثرب کے عربوں کو جکڑ رکھا تھا، مدینہ کے اوس وخزرج ان کے مقروض تھے اور علمی وتہذیبی برتری کی بنا پر ان سے دبتے تھے، یہ مرعوبیت اس حد تک پہنچی تھی کہ اگر کسی کے ہاں بچے پیدا ہوکر مرجاتے تو وہ یہ منت مانتا تھا کہ اب کے جو بچہ پیدا ہوگا اسے یہودی بنادیں گے، شہر میں یہود کی قلعہ بند بستیاں تھیں جنہیں اطم کہتے تھے اور یہیں ان کی تعلیم گاہیں بھی تھیں جن کا نام بیت المدراس تھا، یہاں یہود کے بچے عبرانی زبان اور تورات کی تعلیم حاصل کرتے تھے، مگر حجاز کے یہود سمول یہودیثرب عربی زبان ہی بولتے تھے، چنانچہ سموئل بن عادیا جو عرب جاہلیت میں وفائے عہد کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے، عربی زبان کا فصیح اللسان شاعر بھی تھا، اسی طرح یثرب کا یہودی مخلوط النسل رئیس کعب بن اشرف بھی زبان آور شاعر تھا، ان شعرا کے علاوہ یہود میں مذہبی عالم یعنی حبر (جمع احبار) بھی تھے۔ جو اپنے ہم مذہبوں میں بڑا اثر رکھتے تھے اور تاویل احکام میں ذاتی اغراض کے تحت ہیر پھیر بھی کرتے تھے۔

یثرب میں آباد تین یہود قبائل میں سے بنوقینقاع پیشے کے لحاظ سے زرگر اور سودی کاروبار سے وابستہ تھے، اپنے دو ہم مذہب قبائل سے عداوت کی وجہ سے انہیں قبیلہ خزرج کی پناہ میں آنا پڑا تھا اور اندرون شہر کے ایک خاص محلے میں رہتے تھے، یہاں ان کے بازار اور قلعہ بند مکانات تھے، دیگر یہود کے مقابلہ میں یہ لوگ زیادہ سرکش وشوریدہ سر تھے، یہود کا دوسرا قبیلہ بنونضیر شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر وادی بطحان میں رہتا تھا، یہ خطہ کھجوروں کے نخلستانوں اور کھیتوں سے مالا مال تھا اور زراعت و باغبانی کے وسیلے سے یہ لوگ نہایت خوش حال اور دولت مند تھے۔ ان کے مکانات بھی اطم گڑھیوں کی صورت میں تھے اور دفاعی لحاظ سے نہایت مستحکم تھے۔ تیسرا یہودی قبیلہ بنوقریظہ شہر کے جنوب میں واقع مہروز کے علاقے میں بودوباش رکھتا تھا اور پیشے کے لحاظ سے کاشتکار تھا، ان کے مکانات بھی قلعہ نما اور بستیاں دیوار بند تھیں، بنونضیر اور بنوقریظہ اوس کے حلیف تھے۔ (۲)

یہود کے یہ قبائل مالی ثروت اور جنگی سازوسامان کی کثرت کے باعث اور نیز اپنی علمی وتمدنی برتری کے سبب یثرب کے اوس وخزرج پر غالب اور ان پر حاوی تھے، لیکن باہمی اختلافات کی وجہ سے ان

کی جمعیت منتشر ہو چکی تھی اور وہ اوس وخزرج کے ساتھ عہدوپیمان کرکے اپنے وجود کو باقی رکھنے پر مجبور تھے، چنانچہ بنو قینقاع، قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اور بنو نضیر و بنو قریظہ قبیلۂ اوس کے حلیف تھے، یہود مدینہ کے باہمی اختلاف کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

> اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنے وطن سے نہ نکالو گے، پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس پر گواہ ہو، اس کے باوجود تم اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ایک گروہ کو اس کے گھروں سے نکالتے ہو، ظلم و عدوان سے ان پر چڑھائی کرتے ہو اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہوکر آئیں، تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو، حالانکہ ان کو نکال دینا بھی تم پر حرام ہے۔ (۳)

یہ یہود قبائل ہر چند کہ عددی قوت مادی وسائل اور تمدنی برتری کے سبب یثرب کے عرب قبائل اوس وخزرج سے کسی طرح کم نہ تھے، لیکن حد درجہ بزدل، دون فطرت اور پست ہمت تھے، ان کی اس حالت کا ذکر قرآن میں یوں کیا گیا ہے:

> لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ (۴)
>
> اے مسلمانو یہ یہود تم سے صرف قلعہ بند شہروں یا فصیلوں کے پیچھے ہو کر ہی جنگ کریں گے۔

بزدلی کی وجہ سے انہوں نے اوس وخزرج کے خلاف جس ہتھیار کو سب سے زیادہ موثر سمجھا، وہ سازش، دسیسہ کاری اور انہیں باہم دگر دست بگریباں کرنا تھا، یثرب میں اسلام کے قدم آئے تو یہود نے سب سے زیادہ جس حربے سے کام لیا، یہی سازش وتفرقہ پردازی کا وار تھا، ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں یہود کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا بار بار ذکر کریں گے، یہاں صرف ایسے چند واقعات کی جانب اشارہ کردینا کافی ہے، مثلاً اوس وخزرج کے افراد کو باہم شیر وشکر دیکھ کر ایک سازش کے ذریعے ان میں زمانۂ جاہلیت کی خانہ جنگی یوم بعاث کا ذکر کرکے آتش قتال بھڑکانے کی کوشش، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بروقت اطلاع ہوگئی اور آپ ﷺ نے اس کا سدباب کردیا یہودی رئیس کعب بن اشرف کا مکہ جاکر قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا اور حملے میں تعاون کی پیش کش کرنا، بنو نضیر کا دھوکے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ کو قتل کرنے کی سازش کرنا، بنو قریظہ کا درپردہ جنگ احزاب میں قریش

سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی آخری کوشش کرنا اور خیبر کی ایک یہودی عورت کی گوشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کی مکروہ کوشش وغیرہ، مختصر یہ کہ یثرب میں یہود کا وجود ایک ناسور تھا جو اوس وخزرج کو کھائے جا رہا تھا اور اسلام پروان چڑھنے میں رکاوٹ تھا [sic]

اوس وخزرج:

یثرب میں یہود کے پڑوس میں عربوں کے دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے، اسلام لانے کے بعد ان کا نام انصار پڑ گیا اور اس کے بعد سے رہتی دنیا تک یہ دونوں قبیلے اسی نام سے موسوم ہوئے انہیں یہ نام اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ O (۶)

اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور مدد کی، وہی سچے مومن ہیں، ان کے لئے مغفرت اور اچھی روزی ہے۔

اوس وخزرج کے نسب سے متعلق نسابین قدیم کی یہ رائے ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یمن کے مشہور آبی بند سد مآرب کے ٹوٹ جانے اور عظیم زرعی نظام کے برباد ہو جانے کے باعث وہاں آباد بنو کہلان کے قبائل نے وہاں سے نقل مکانی کی، بنو کہلان کا تعلق سبا کے قبیلے سے تھا جو یمنی قبیلے عرب عاربہ بنو قحطان کی ایک شاخ ہے۔ کہلانی نقل مکانی کرنے والوں میں عمرو بن عامر نامی سردار بھی تھا، اس نے شمال کی جانب ہجرت کی، چنانچہ اس کے ایک بیٹے جفنہ نے شام وعرب (مشارف) کے سرحدی علاقے میں سکونت اختیار کی، وہاں ایک منظم حکومت قائم کی یہ لوگ نہر غسان کے قریب قیام کرنے کے باعث غسانی کہلائے، ہم نے "عرب قبل الاسلام" کے بیان میں ان غسانیوں کا ذکر کیا ہے، عہد نبوی میں بھی مدینہ اور اس کی حفاظت کے سلسلے میں ان غسانیوں کا نام آئے گا، اس عمرو بن عامر کے دوسرے بیٹے حارثہ نے حجاز کے پہاڑوں اور بحر احمر کے ساحل کے درمیان اس میدانی علاقے میں سکونت اختیار کی، جو تہامہ کہلاتا ہے، اس کی اولاد خزاعہ کے نام سے آباد ہوئی، اس کہلانی، سبائی و قحطانی سردار عمرو بن عامر کے تیسرے بیٹے نے جس کا نام ثعلبہ تھا، اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ جن کے نام اوس اور خزرج تھے، حجاز کے شہر یثرب میں طرح اقامت ڈالی، یہاں پہلے سے یہود کے قبائل آباد تھے اور شہر اور اس کے گرد و نواح کی

سرسبز زمینوں پر قابض تھے، ثعلبہ کے دونوں بیٹوں اوس وخزرج کو یہاں کی بنجر اور بے آب وگیاہ زمین پر قناعت کرنی پڑی اور انہوں نے تنگی ترشی سے زندگی بسر کرنی شروع کی اور اپنے خوش حال یہودی پڑوسیوں سے ایک گونہ دوستانہ تعلقات استوار کر لئے۔(۷)

اوس وخزرج کا نسب:

یثرب کے اوس وخزرج کے نسب سے متعلق قدیم ماہرین انساب کا یہ خیال ہے کہ وہ جنوب کے قحطانی عرب ہیں اور قحطان کی مشہور شاخ سبا اور اس کی ذیلی شاخ کہلان سے انہیں نسبت ہے، لیکن محدثین میں امام بخاریؒ کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ اسماعیلی عرب ہیں، اور نابت بن اسماعیل کے خاندان سے ان کا تعلق ہے، مستشرقین یورپ کا بھی یہی خیال ہے اور اپنے اس دعوے پر انہوں نے متعدد دلائل قائم کئے ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی کتاب ''ارض القرآن'' میں اوس وخزرج اور ان کے ہم رشتہ آل جفنہ (غسان) کو اسماعیلی عرب شمار کیا ہے اور اس کے دلائل دیئے ہیں، ہم نے اپنے مقالے کے اُس جز میں جہاں غسان کا ذکر ہے، اس کی جانب اشارہ کیا ہے، مولانا مرحوم کے دلائل کا ماحصل یہ ہے:

۱۔ ابو طاہر مقدیسی نے جو ایک قدیم مورخ ہے اپنی کتاب البدءوالتاریخ میں لکھا ہے کہ ایک خالص جاہلی شاعر منذر بن حرام خزجی نے جو حضرت حسان بن ثابت کا دادا تھا اپنے اشعار میں یہ بیان کیا ہے کہ اس کا اور اس کے ہم جد غسان کا مورث اعلیٰ ثابت بن مالک ہے اور اس کا نسب ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام تک پہنچتا ہے، منذر بن حرام کے یہ اشعار غسانی امرا کے دربار میں پڑھے گئے تھے اس لئے یہ بیان موثق ترین ہے۔

۲۔ حمیری (قحطانی) بادشاہوں اور نبطی (اسماعیلی) وغسانی حکمرانوں کے ناموں کی طویل فہرست سے پتا بت ہوتا ہے کہ غسانیوں، اوس وخزرج کے اسما بالکل یکساں ہیں جب کہ حمیری وقحطانی اسما ان سے بالکل جدا اور الگ ہیں، ناموں کی یہ یکسانی اس بات کا ثبوت ہے کہ غسانی اور اوس وخزرج اسماعیلی عرب تھے، قحطانی حمیری وسبائی عرب نہ تھے۔

۳۔ آل غسان اور اوس وخزرج کی زبان شمالی عربی اور رخط نبطی ہے، اگر یہ لوگ قحطانی اور یمنی ہوتے تو ان کی زبان حمیری اور رسم الخط مسند ہوتا۔

۴۔ غسان واوس وخزرج حجاز وتہامہ میں آباد تھے جو خالص اسماعیلی عربوں کا علاقہ تھا، خود

قدیم یونانی مورخین نے بھی ان علاقوں میں اسماعیلی وناتی عربوں کی بستیوں کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انصار (اوس وخزرج) کے مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہ کا قصہ سنایا اور آخر میں کہا:

تلک امکم یا بنی ماء السماء۔

یعنی اے پاک نسبو! یہ تھیں تمہاری ماں۔

امام بخاری نے اس ضمن میں انصار کے اسماعیلی ہونے پر ایک **مستقل** باب قائم کیا ہے۔

۶۔ اوس وخزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ قریش سے ان کے رشتے تھے اور یہ قرابت داری قدیم سے قائم تھی اور وہ ہر سال پابندی کے ساتھ حج کو آتے تھے۔

۷۔ اوس وخزرج جن بتوں کی پوجا کرتے تھے وہ وہی تھے جو قریش اور دوسرے اسماعیلی عربوں کے معبود تھے۔

بہر کیف دلائل وشواہد سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ غسان اور اوس وخزرج اسماعیلی عرب تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے نابت یا نبایوط کی نسل سے تھے، یہی نابت اپنے والد محترم کا جانشین اور بیت اللہ کا متولی ہوا تھا، اسماعیلی عربوں کے ضمن میں اس کا مزید ذکر اپنے مقام پر آچکا ہے۔(۸)

اوس اور خزرج کی شاخیں:

وقت گزرنے کے ساتھ اوس اور خزرج کی نسلوں میں تیزی سے اضافہ ہوا اور ظہور اسلام کے وقت ان کی متعدد شاخیں وجود میں آچکی تھیں، ہم ذیل میں ان کا ذکر کرتے ہیں:

(الف)۔ اوس کا صرف ایک بیٹا تھا، جس کا نام مالک تھا، اس کی اولاد متعدد شاخوں میں تقسیم ہوگئی، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ عمرو بن مالک: اس کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام خزرج (بن عمرو بن مالک بن اوس) تھا، اس سے تین خاندان پیدا ہوئے جو نبیت، عبدالاشہل اور بنو ظفر کہلاتے ہیں۔

۲۔ عوف بن مالک: اس کی نسل سے بنو عمرو بن عوف (اہل قباء) بنو جحجبی اور بنو مرہ بن مالک ہیں۔

۳۔ سالم بن مالک: خاندان بنو واقف کا مورث اعلیٰ یہی ہے۔

۴۔ کلم بن مالک: حضرت سعد بن خیثمہ کا خاندان یہی ہے۔

۵۔عبداللہ بن مالک: بنوخطمہ کا اسی سے نسلی تعلق ہے۔

(ب)۔ خزرج کے پانچ بیٹے تھے، ان سے قبائل خزرج کی متعدد شاخوں (بطون) کا تعلق ہے، یہ پانچوں نام ہیں:

۱۔جشم بن خزرج: اس کی اولاد میں بنوزریق، بنوسلمہ اور بنوبیاضہ ہیں۔

۲۔عوف بن خزرج: بنوالحبلی (خاندان عبداللہ بن ابی بن سلول)، بنوقواقل اور بنوسالم اس کی شاخیں ہیں۔

۳۔حارث بن خزرج:

۴۔عمرو بن خزرج: بنونجار کا تعلق اسی عمرو کی اولاد سے ہے۔

۵۔کعب بن خزرج: بنوساعدہ اسی کی نسل سے ہیں۔

قبائل اوس یثرب کے جنوب ومشرق میں آباد ہوئے جو عوالی کہلاتا ہے، یہ شہر کا زرخیز زرعی علاقہ تھا، ان کے حلیف اور پڑوسی یہود کے قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ تھے، اوس کی تعداد خزرج کے مقابلے میں کم تھی، خزرج کے قبائل جو کثرت تعداد میں نمایاں تھے یثرب کے وسطی اور شمالی علاقے میں آباد ہوئے، یہود کا قبیلہ بنوقینقاع ان کا پڑوسی تھا۔(۹)

اوس وخزرج کی خانہ جنگیاں:

اوس وخزرج اگرچہ ایک ہی باپ کی اولاد تھے، مگر عربوں کی فطرت جنگ پسند اور یہود کی سازشوں کی وجہ سے ان میں لڑائیوں کے سلسلے شروع ہوگئے جن میں دونوں قبیلوں کے اکثر اہل ادکام آئے اور ایسی عداوت دلوں میں بیٹھ گئی جسے مٹانا قریب قریب ناممکن تھا اور ساتھ ہی عربوں کی کینہ توزی کا غیر مختتم سلسلہ "ثار" یعنی بدلہ لینے کی روش چل پڑی، ان لڑائیوں میں پہلی جنگ سمیر تھی اور آخری بعاث جو ہجرت سے صرف پانچ سال پہلے لڑی گئی تھی، ان قبائلی جنگوں میں یہود بھی اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر لڑتے تھے اور سنگ دلی وخون آشامی میں اپنے عرب حلیفوں سے بھی دو ہاتھ آگے جا کر اپنے ہم مذہب یہود کو نہایت بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارتے تھے، بہرکیف یثرب میں اسلام کی آمد سے اوس وخزرج کو اس دردناک خانہ جنگی سے نجات ملی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔ (۱۰)

اور تم لوگ آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے اس سے تمہیں بچایا۔

مگر ان خانہ جنگیوں کے باوجود ہجرت کے وقت یثرب میں اصل قوت و غلبہ اوس و خزرج ہی کو حاصل تھا، یہود ان سے کم تر تھے۔(۱۱)

اوس و خزرج کی معاشرتی حالت:

اوس و خزرج کے قریش مکہ سے شادی بیاہ کے تعلقات تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم نے بنو نجار کی ایک خاتون سلمٰی سے نکاح کیا تھا، جن کے بطن سے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے اور بچپن انھوں نے اپنی ننھیال ہی میں گزارا تھا۔ اس کے علاوہ اوس و خزرج کے سرکردہ افراد کے مکہ کے شرفا سے معاشرتی و معاشی روابط بھی تھے، اس لئے یثرب کے عرب معاشرے پر قریش مکہ کے اثرات کسی حد تک نمایاں ضرور تھے، پھر خانہ کعبہ جس کے قریش متولی تھے، اوس و خزرج کا بھی قبلہ تھا اور وہ پابندی سے حج کی غرض سے مکہ آتے تھے، قریش کی طرح یہ لوگ بھی بت پرست تھے اور ان کے بت بھی وہی تھے جو قریش کے معبود تھے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل یثرب کی بت پرستی اس قدر متنوع نہ تھی جس قدر قریش مکہ کی تھی، ان لوگوں کا محبوب ترین بت مناۃ تھا جو جبل قدید کے مقام پر نصب تھا، اس بت کی چوبی نقلیں اوس و خزرج کے بعض گھروں میں بھی رکھی جاتی تھیں، یہاں دوسرے بتوں کا غالباً عمل دخل نہ تھا۔

اہل یثرب بنیادی طور سے باغبان اور کسان تھے، کھجوروں اور انگوروں کے دیوار بند باغات جنھیں حائط کہتے تھے بکثرت تھے، یہاں تجارتی سرگرمیاں بھی تھیں مگر مکہ کے مقابلے میں کم، اسی طرح یہاں بعض صنعتیں بھی تھیں، لیکن ان پر یہود کا قبضہ تھا، تمدنی اعتبار سے یثرب کو مکہ پر برتری حاصل نہ تھی، تاہم شہر کے بازاروں میں ریشمی کپڑے، سوتی پارچہ جات اور زیوارت کی خرید و فروخت ہوتی تھی، اس کے ساتھ ہی شام سے نبطی بنجارے غلہ اور سامانِ خورد و نوش بھی یہاں کے بازاروں میں لاتے تھے، اور یہاں کی آبادی کی بڑی غذائی ضرورت انہی بیرونی تاجروں کے بیوپار سے پوری ہوتی تھی، یہ نبطی تجار مدینہ سے کھجوریں اور لے جاتے تھے، جو اپنی لذت، لطافت اور حلاوت کے لئے دور دور مشہور تھیں۔(۱۲)

اوس و خزرج کی اسلام کی جانب سبقت کی وجہ:

یثرب کے لوگ یہود کی صحبت کے سبب نبوت، شریعت، کتاب و وحی سے کسی حد تک واقف

تھے، دیگر عرب قبائل کی طرح ان باتوں سے ان کے کان نا آشنا نہ تھے، اس کے علاوہ یہود کی زبانی انھیں اس بات کا علم تھا کہ جلد ہی ایک نبی آنے والا ہے اور وہ خانہ جنگیوں کی وجہ سے اس حد تک تھک چکے تھے کہ کسی متفقہ قائد کی سیادت میں پر امن زندگی گزارنے کے لئے بے تاب تھے، چنانچہ وہ لوگ عبداللہ بن ابی خزرجی کو اپنا بادشاہ بنانے پر تیار ہو گئے تھے، ان حالات میں جب انھیں اسلام کا پیغام ملا اور رسول اکرم ﷺ کی ذات میں ایک مرکز اطاعت، تو انھوں نے اس پر فوراً لبیک کہا۔(۱۳)

اہل یثرب کے اسلام کا آغاز:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے موقع پر مکہ آنے والے قبائل کے پڑاؤ پر جاتے اور ان میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ ۱۱ نبوی میں بھی آپ ﷺ قبائل کے پاس تبلیغ کی غرض سے تشریف لے گئے، آپ ﷺ کو عقبہ (منیٰ کے نزدیک پہاڑی گھاٹی) کے قریب چند اشخاص نظر آئے، آپ ﷺ نے ان کا نام و نسب دریافت فرمایا، معلوم ہوا کہ یہ لوگ یثرب (مدینہ) کے رہنے والے اور عربوں کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی آیتیں سنائیں، یہ حضرات اس سے متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا، اس سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی مدنی جماعت کے افراد کی تعداد چھ تھی، ان حضرات کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابو امامہ اسعد بن زرارہ نجاری خزرجی
۲۔ عوف بن حارث نجاری خزرجی معروف بہ ابن العفراء
۳۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ از بنو سلمہ خزرج
۴۔ رافع بن مالک بن عجلان از بنو زریق خزرج
۵۔ ابو الہیثم بن تیہان (اوسی) ابن ہشام کے ہاں ان کے بجائے عتبہ بن عامر بن نابی (از بنی حرام بن کعب) خزرجی کا نام ہے۔
۶۔ جابر بن عبداللہ بن رئاب از بنو سلمہ خزرج۔ بعض روایتوں میں ان کے بجائے عبادہ بن صامت (از بنی عوف بن خزرج) کا نام ہے۔

مدینے کے ان ابتدائی مسلمانوں کی تعداد چھ ہے مگر دو ناموں میں اختلاف کی وجہ سے یہ تعداد آٹھ ہو جاتی ہے، اس لئے بعض روایتوں میں ان کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے، یہ لوگ جب اپنے گھروں کو واپس گئے تو

ان کی بدولت یثرب کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں اسلام کا پیغام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ پہنچا ہو۔(۱۴)

ایک ضروری وضاحت:

مدینے کے ان سب سے پہلے اسلام لانے والوں کے قبولِ اسلام کے واقعے کو بعض سیرت نگاروں نے بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے عنوان سے بیان کیا ہے، مگر اس سے اس وقت سخت اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے جب بعض دوسرے سیرت نگار عقبہ کی پہلی بیعت میں بارہ اشخاص کا نام لکھتے ہیں، اس لئے رفعِ اشتباہ کی غرض سے مناسب یہ ہے کہ ابتدائی مسلمانوں کے قبولِ اسلام کے واقعے کو "مدینہ میں اسلام کا آغاز" کہا جائے اور دوسرے سال ۱۲ نبوی میں بارہ افراد کے قبولِ اسلام کو بیعتِ عقبۂ اولیٰ کا عنوان دیا جائے اور تیسرے سال ۱۳ نبوی میں بہتر آدمیوں کے اسلام لانے کے واقعے کو "بیعتِ عقبۂ ثانیہ" کا نام دیا جائے، ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ۱۱ نبوی کے واقعے کو "بیعتِ عقبہ اولیٰ" ۱۲ نبوی کے واقعے کو "بیعتِ عقبۂ ثانیہ" اور ۱۳ نبوی کے واقعے کو "بیعتِ عقبہ ثالثہ" کی سرخی دی جائے، لیکن اس سے بھی اشتباہ پیدا ہونے کا امکان ہے، اس لئے صحیح عنوان وہی ہونا چاہئے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔(۱۵)

بیعتِ عقبۂ اولیٰ:

اگلے سال یعنی ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ سے بارہ اشخاص عقبہ کے مقام پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ان میں پچھلے سال کے پانچ اشخاص اور سات نئے حضرات شامل تھے، نئے آنے والوں میں خزرج کے پانچ اور اوس کے دو افراد تھے، یوں عقبہ کی اس بیعت میں خزرج کے دس اور اوس کے دو آدمی تھے، ان کی نام یہ ہیں:

الف۔ خزرج کے بنو نجار سے: (۱) معاذ بن حارث بن رفاعہ اور ان کے بھائی (۲) عوف بن حارث بن رفاعہ (یہ ۱۱ نبوی میں بھی آئے تھے) اور (۳) ابوامامہ اسعد بن زرارہ (یہ بھی ۱۱ نبوی میں آچکے تھے)

ب۔ خزرج کے بنو زریق سے: (۴) ذکوان بن عبدقیس اور (۵) رافع بن مالک (یہ بھی دوسری بار آئے تھے)

ج۔ خزرج کے بنو عوف سے: (۶) یزید بن ثعلبہ اور (۷) عبادہ بن صامت (یہ بھی ایک روایت

کی رو سے دوسری دفعہ آئے تھے)

د۔ خزرج کے بنوسالم بن عوف سے: (۸) عباس بن عبادہ بن نضلہ

ہ۔ خزرج کے بنوسلمہ سے (۹) قطبہ بن عامر بن حدیدہ (یہ بھی دوسری بار آئے تھے)

و خزرج کے بنوحرام بن کعب سے: (۱۰) عقبہ بن عامر بن نابی (یہ ۱۱ نبوی میں بھی آئے تھے)

ز۔ اوس کے بنوعبدالاشہل سے: (۱۱) ابوالہیثم بن تیہان (ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۱ نبوی میں بھی موجود تھے، مولانا شبلیؒ نے بھی پہلی بار آنے والوں میں ان کا نام لکھا ہے)

ح۔ اوس کے بنوعمرو بن عوف سے (۱۲) عویم بن ساعدہ۔(۱۶)

بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے الفاظ:

بیعت عقبۂ اولیٰ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ حضرات سے جو بیعت لی اسے ''بیعت نساء'' کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ بیعت جہاد اور قتال کی شرط پر نہیں کی گئی تھی، اس بیعت کے الفاظ مندرجہ ذیل تھے:

> ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا سے پرہیز کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کسی پر بہتان تراشی نہ کریں گے، کسی امر معروف میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی نہ کریں گے، آپ ﷺ کا حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم خوش حال ہوں یا تنگ دست اور خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے، ہم کسی کے بارے میں حاکم سے جھگڑا نہ کریں گے، ہم جہاں اور جس حال میں بھی ہوں حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔

اس بیعت کی تکمیل کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا:

> اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہے عذاب دے، چاہے معاف کردے۔(۱۷)

مصعب بن عمیر کی یثرب روانگی:

جب یہ لوگ مدینہ واپس جانے لگے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اسلام کی تبلیغ اور قرآن کی تعلیم کی غرض سے ان کے ساتھ کر دیا، وہ مدینہ جا کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے ہاں ٹھہرے، ان کی تبلیغ اور مدینہ کے مسلمانوں کی سعی سے شہر میں نہایت تیزی سے اسلام پھیلنا شروع ہوا، اوس کے قبیلہ بنو عبد الاشہل کے سرداروں اور عام لوگوں نے حضرت مصعب بن عمیر ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، یہ مدینہ میں برابر تبلیغ کرتے رہے اور تین چار گھرانوں کے سوا ہر محلے میں لوگ بہ کثرت مسلمان ہو گئے۔ (۱۸)

بیعتِ عقبہ ثانیہ یا آخرہ:

ذوالحجہ ۱۳ نبوی تک مدینہ میں اسلام پھیل چکا تھا، چنانچہ اس سال حج کے موقع پر اوس وخزرج کے ستر مرد اور دو عورتیں مکہ آئیں، اور انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ کے مقام پر ملاقات کی، یہ اس سلسلے کی آخری ملاقات اور بیعت ہے، اسے بیعت عقبہ ثانیہ یا آخری بیعت عقبہ کہا جاتا ہے، اس سال حج کے لئے مدینہ سے اوس وخزرج کے کوئی پانچ سو اشخاص قافلے کی صورت میں مکہ آئے، انھیں میں وہ لوگ بھی تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے، مگر ان کے کافر ہم قبیلہ ان کے اسلام سے بے خبر تھے، مکہ آنے کے بعد ان کے نمائندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ ﷺ کی قیام گاہ پر ملے اور یہ طے ہوا کہ یوم النفر الآخر (وہ آخری دن جب حاجی منیٰ سے روانہ ہو جاتے ہیں) میں رات کے وقت عقبہ کے نشیبی حصے میں ان لوگوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوگی، چنانچہ اوس وخزرج کے یہ مسلمان رات کے وقت چھپتے چھپاتے دو دو چار چار کی ٹکڑیوں میں عقبہ پہنچے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے ساتھ ان حضرات کا انتظار کر رہے تھے، سب سے پہلے حضرت عباس نے (جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے، لیکن خاندان کے سربراہ کی حیثیت میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے) گفتگو کا آغاز کیا، انھوں نے اوس وخزرج کے مسلمانوں سے کہا: ''تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے، حالاں کہ وہ اپنے خاندان کے درمیان بڑی مضبوط حیثیت رکھتے ہیں، ہم میں سے جنھوں نے ان کا دین قبول کیا ہے اور جنھوں نے نہیں کیا ہے، سب حسب وشرف کی بنا پر ان

کی حفاظت کر رہے ہیں، مگر محمد ﷺ سب کو چھوڑ کر تمہارے ہاں جانا چاہتے ہیں، اب سوچ لو کہ تم اتنی طاقت اور جنگی مہارت رکھتے ہو یا نہیں کہ سارے عرب کی دشمنی کے مقابلے میں ڈٹ سکو، کیوں کہ وہ ایکا کر کے تم پر ٹوٹ پڑیں گے، سو سوچ سمجھ کر رائے قائم کرو، آپس میں مشورہ کر لو اور اتفاق سے کوئی فیصلہ کرو" اس کے بعد حضرت براء بن معرور بولے: "ہم نے آپ کی بات سن لی ہے، اللہ کی قسم! اگر ہمارے دلوں میں کچھ اور ہوتا تو ہم صاف صاف کہہ دیتے، لیکن ہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سچی وفاداری کرنا اور آپ ﷺ کے لئے جان کی بازی لگا دینا چاہتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو الہیثم بن تیہان نے اہل یثرب کی جانب سے سب سے پہلے بات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلاوت کی، لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، اسلام سے رغبت دلائی، اس دوران میں حضرت ابو الہیثم بن تیہان نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول، ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان حلیفانہ تعلقات ہیں جن کو اب ہم کاٹ دینے والے ہیں، اس کے بعد کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ آپ ﷺ کو غلبہ عطا کر دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم (قریش) میں واپس چلے جائیں"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "نہیں، بلکہ اب خون کے ساتھ خون اور قبر کے ساتھ قبر ہے، میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو، جس سے تمہاری لڑائی اس سے میری لڑائی اور جس سے تمہاری صلح، اس سے میری صلح"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے بیعت لی، سب سے پہلے حضرت براء بن معرورؓ نے بیعت کی، بعض روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو الہیثمؓ بن التیہان نے آپ ﷺ کی بیعت کی، روایتوں میں سب سے پہلے بیعت کرنے والے کا نام حضرت اسعد بن زرارہؓ بھی مذکور ہے، اس دوران میں حاضرین میں جوش و خروش کی وجہ سے آواز بلند ہو گئی جس پر عباس بن عبدالمطلب نے انہیں چپ کرایا اور بتایا کہ کفار قریش کے جاسوس پیچھے لگے ہوئے ہیں، اس لئے بیعت کر کے اپنے پڑاؤ پر خاموشی سے چلے جاؤ، چنانچہ سب لوگ اپنے پڑاؤ پر چلے گئے اور یوں عقبہ کی یہ آخری بیعت بحسن و خوبی سرانجام پائی۔ (۱۹)

بیعت عقبۂ ثانیہ کے شرکا کے نام:

اس آخری بیعت میں شرکا کی تعداد ۷۰ مرد اور ۲ خواتین بیان کی گئی ہے، لیکن ابن سعد کے بقول یہ تعداد اس سے دو تین زیادہ بھی ہو سکتی ہے، بلاذری کے خیال میں یہ تعداد ستر مرد اور دو عورتوں

سے زیادہ نہ تھی، مگر بعد میں شرف وفخر کی غرض سے لوگوں نے اپنے اپنے خاندانوں کے ناموں کا اضافہ کرنا شروع کر دیا جس سے شرکا کی تعداد اور ناموں میں کسی قدر فرق پیدا ہو گیا، بہر کیف ان ستر اشخاص میں قبیلۂ اوس کے بارہ افراد تھے۔ اور یہ اس لئے تھا کہ ان کی تعداد خزرج سے بہت کم تھی، قبیلۂ خزرج کے شرکا کی تعداد اٹھاون تھی اور دو خواتین حضرت ام منیع بنت عمرو بن عدی اور حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب بھی خزرج ہی سے تعلق رکھتی تھیں، قبیلۂ خزرج کے ان شرکا کی ذیلی قبائل و بطون کے لحاظ سے تقسیم حسب روایت بلاذری درج ذیل ہے:

۱۔ بنو نجار: ۹ حضرات، ان میں ایک نقیب بھی تھے۔

۲۔ بنو حارث: ۷ حضرات، ان میں دو نقیب بھی تھے۔

۳۔ بنو زریق: ۷ حضرات بشمول ایک نقیب

۴۔ بنو سلمہ: ۲۸ حضرات مع دو نقیب اور ایک خاتون حضرت ام منیع بنت عمرو بن عدی (کل ۲۸ مرد، ۱ عورت)

۵۔ بنو ساعدہ: ۲ حضرات (یہ دونوں یعنی حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو نقیب بھی تھے) اور ایک خاتون حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب۔

۶۔ بنو عوف: ۵ حضرات (بشمول ایک نقیب)

قبیلۂ اوس کے بارہ شرکائے بیعت عقبۂ ثانیہ کی ذیلی قبائل کے لحاظ سے تقسیم مندرجہ ذیل ہے، اس میں بلاذری کے علاوہ ابن سعد اور ابن کثیر سے بھی مدد لی گئی ہے، ان میں تین نقبا بھی شامل ہیں:

۱۔ بنو عبدالاشہل: تین اشخاص ان میں ایک نقیب حضرت اسید بن حضیر بھی شامل ہیں۔

۲۔ بنو ظفر: ایک صاحب

۳۔ بنو سلم بن امرء القیس: ایک صاحب بنام حضرت سعد بن خیثمہ، جو نقیب بھی تھے۔

۴۔ بنو حارثہ بن حارث، ایک صاحب۔

۵۔ بنو لبیت عمرو بن مالک: ایک صاحب۔

۶۔ بنو خزرج بن عمرو بن مالک: ایک صاحب

۷۔ بنو عوف بن عمرو بن عوف: ایک صاحب بنام حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر اور وہ نقیب بھی تھے۔

۸۔ بنو ثعلبہ بن عمرو بن عوف: ایک صاحب۔

۹۔ بنو زید بن مالک بن عمرو بن عوف: ایک صاحب۔

۱۰۔ بنو مالک بن عمرو بن عوف: ایک صاحب۔ (۲۰)

بارہ نقبا کا تقرر:

اس بیعت کے موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکا سے کہا کہ اپنے میں سے مجھ کو بارہ نقیب نامزد کر کے دو، جو اپنے اپنے قبیلے کے ذمہ دار ہوں گے، لوگوں نے بارہ آدمیوں کے نام تجویز کئے، جن میں نو خزرج سے اور تین اوس سے تھے۔

ان نقبا (نقیبوں) کی فہرست بلاذری اور ابن ہشام کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل ہے:

الف۔ قبیلۂ اوس:

۱۔ اُسید بن حضیر

۲۔ سعد بن خیثمہ

۳۔ ابو الہیثم بن التیہان (بعض روایتوں میں ان کے بجائے رفاعہ بن عبدالمنذر کا نام ہے)۔

ب۔ قبیلۂ خزرج:

۴۔ اسعد بن زرارہ (یہ نقیب النقباء تھے)

۵۔ سعد بن ربیع

۶۔ عبداللہ بن رواحہ (شاعر نبی ﷺ)

۷۔ رافع بن مالک

۸۔ براء بن معرور

۹۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام

۱۰۔ عبادہ بن صامت (بعض روایتوں میں ان کے بجائے خارجہ بن زید کا نام ہے)

۱۱۔ سعد بن عبادہ

۱۲۔ منذر بن عمرو (۲۱)

قریش مکہ کا ردعمل:

اگر چہ بیعت عقبۂ ثانیہ کو خفیہ رکھنے کا سخت اہتمام کیا گیا تھا، لیکن قریش مکہ کو اسی رات اس کی

بھنک پڑ گئی تھی، چنانچہ صبح کے وقت ان کے بعض سردار اہل یثرب کے پڑاؤ پر گئے اور انھوں نے اس بیعت کے بارے میں ان سے دریافت کیا، اہل یثرب میں جو مشرک تھے، انھیں واقعے کی کوئی خبر نہ تھی، اس لئے انھوں نے اس کی تردید کی مگر اس کے باوجود سرداران قریش برابر ٹوہ میں لگے رہے اور انہیں یقین ہوگیا کہ اہل مدینہ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کے خلاف کوئی معاہدہ ضرور کیا ہے، چنانچہ حج سے مدینہ والوں کی واپسی کے وقت انہوں نے بیعت کرنے والوں کا تعاقب کیا اور ان میں حضرت سعد بن عبادہ کو پکڑلیا، جبکہ ان کے ساتھی حضرت منذر بن عمرو بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، قریش کے لوگ حضرت سعد بن عبادہ کو باندھ کر مارتے ہوئے مکہ لائے، یہاں بنونوفل کے رئیس مطعم بن عدی نے جس سے حضرت سعد کا زمانۂ جاہلیت سے معاہدہ تھا، انہیں رہائی دلائی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہوکر یثرب چلے گئے۔(۲۲)

بیعت عقبۂ ثانیہ کے اثرات و اہمیت:

ذوالحجہ ۱۳ نبوی میں عقبہ کی دوسری بیعت کے ساتھ اسلام کو ایک مرکز اور حامیوں کا ایک ایسا مخلص گروہ مل گیا جس سے اس کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا، اب مسلمانوں کو اسلام کے نئے دارالہجرت میں منتقل ہوکر ایک نئی زندگی شروع کرنا تھا، اسلام کی مظلومیت اور کفار کی ستم رانیوں کے تیرہ سال ختم ہونے اور امن و سکون کے دور کا آغاز ہونا تھا، ظلم کی سیاہ رات ختم ہونے والی تھی اور عدل و امن کا آفتاب طلوع ہونے والا تھا، ایک ایسا نظام برپا ہونے والا تھا، جو استحصال، ظلم و جبر سے پاک اور اخلاقی بے راہ رویوں سے منزہ ہو، مظلوموں کی آقائی اور مجبوروں کی مسیحائی کا نیا نظام نافذ ہوکر صداقت، شرافت اور انسانیت کا بول بالا ہو اور رہتی دنیا تک آدمی فکری آوارگی، عملی پراگندگی اور اخلاقی تہی مائیگی سے آزاد ہوجائے، اس کی فکر سے فلاح عام کے سوتے پھوٹیں، اس کے عمل سے نیکی کے پھول کھلیں اور اس کے اخلاق سے خوبی کی خوشبو پھیلے۔

چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحجہ ۱۳ نبوی کے بعد ہی مسلمانوں کو یثرب کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی کہ اللہ نے اس نئے شہر کو ان کا دارالہجرت اور مرکز قوت قرار دیا ہے، اس اذن عام کے بعد اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جان ہاروں اور اس کی صیانت و حفاظت کی غرض سے جان نثاروں نے گھربار، عزیز و اقربیٰ، کاروبار اور وسائل معاش کو نہایت بے پروائی سے چھوڑا اور ایک نئے سفر پر روانہ ہوگئے، اس سفر ہجرت کی داستان ہمارے اگلے بیان کا سرنامہ ہوگی اور اس سرفروشی و قربانی کی تاریخ نگاری ہمارے قلم کا عنوان زریں۔

(٦) ہجرت مدینہ

ہجرت کا مفہوم:

عربی زبان میں الھجر و الھجران کے معنی ہیں آدمی کا غیروں کو چھوڑ دینا اور المھاجرۃ غیروں سے قطع تعلق کر لینے اور ان سے علیحدگی اختیار کر لینے کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔(۱)

قرآن مجید کی اصطلاح میں ھجرۃ و مھاجرۃ سے مراد ہے دارِ کفر سے نکل کر دارِ ایمان کی جانب چلا آنا، مثلاً قرآن میں حضرت لوط علیہ السلام کا یہ قول کہ:

اِنِّیۡ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝ (۲)

میں اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنے رب کی جانب جا رہا ہوں، بیشک وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

یا اموالِ فئے کے مستحقین کے بارے میں ارشاد ہوا:

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُهٰجِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاَمۡوَالِهِمۡ۔(۳)

مال فئے میں جو بغیر لڑے ملا ہے من جملہ اور حق داروں کے ضرورت مند مہاجرین کا بھی حق ہے کیونکہ یہ لوگ کافروں کے ظلم سے اپنے گھروں اور مال سے بے دخل کئے گئے ہیں۔

یہاں اس بات کی دو ٹوک الفاظ میں وضاحت کر دی گئی کہ مہاجرین (ہجرت کرنے والے) وہ لوگ ہیں جنہیں کفار نے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، وہ اپنے گھربار سے محروم کر دیے گئے، انہیں ان کے وطن سے نکال دیا گیا اور ان کے اسباب و مال پر کافروں نے قبضہ جما لیا، سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

وَمَنۡ یُّهَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا وَّسَعَةً ؕ
وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡهُ الۡمَوۡتُ
فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝ (۴)

جو شخص اللہ کی راہ میں اپنا وطن چھوڑے گا (ہجرت کرے گا) تو اسے زمین میں وافر جگہ اور ہر طرح کی کشائش ملے گی اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف

ہجرت کرنے کے لئے نکلے اور اسے موت آئے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

یہاں ہجرت کرنے والوں کو وقتی تنگی ترشی اور مالی پریشانی سے دل برداشتہ نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے اور اس راہ میں اگر موت بھی آجائے تو بھی اللہ کے ہاں اسے اس ہجرت کا اجر ضرور ملے گا، اس کے ساتھ ان لوگوں کو جو اپنی مجبوریوں یا کسی اور وجہ سے دیارِ کفر سے ہجرت نہیں کرتے سخت تنبیہ کی گئی ہے، ارشاد ہوا:

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا۔ (۵)

یہ ہجرت نہ کرنے والے کہیں گے کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے، (اس لئے ہجرت نہ کرسکے) ان سے فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرتے۔

یہی نہیں بلکہ بعد میں اسلام لانے والوں کو بھی دارِ کفر سے دارِ ایمان کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا، فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ (۶)

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جہاد کیا، تو وہ تم ہی میں داخل ہیں۔

لیکن ۸ ھ میں فتح مکہ کے بعد ہجرتِ مدینہ کا یہ حکم منسوخ کردیا گیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **لاھجرۃ بعد الفتح** مکہ فتح ہوجانے اور سارے حجاز و نجد بلکہ عرب کے دارِ ایمان ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے لئے مدینہ کی جانب ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے۔ (۷)

مگر مطلق ہجرت کا حکم کبھی منسوخ نہیں ہوا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت تک ہجرت جاری رہے گی، کیوں کہ کسی مسلمان کے لئے مشرکین کے غلبہ والے مقام پر رہنا جائز نہیں، ہاں مجبوری کی بات اور ہے، یہ ابن القیم کا موقف ہے، امام رازی کا بھی یہی قول ہے۔

اس گفتگو سے جو بات واضح ہوئی، وہ یہ ہے کہ اگر اہلِ اسلام کو کسی خطے میں اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر کرنے اور بحیثیت مسلمان زندہ رہنے کی اجازت نہ ہو اور اسلام کا کوئی مامن و مرکز بن چکا

ہو،تو انہیں اس کی جانب ہجرت کرنا لازمی ہے،لیکن اگر ان کی بستیاں اس دوران میں اسلام کے زیر نگیں آجائیں اور خود ان کی حیثیت دارایمان کی ہوجائے تو پھر انہیں وہیں رہنا چاہئے ،ہاں جو لوگ ایسی بستیوں کے دارایمان بننے سے قبل وہاں سے دارایمان کی جانب ہجرت کر چکے ہوں،انہیں اپنی سابق بستیوں کے دارایمان بننے کے بعد بھی واپس نہ جانا چاہئے ،چنانچہ مدینہ کے دارایمان قرار دئے جانے کے بعد جو مسلمان مثلاً مکہ یا کسی اور علاقے سے مدینہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے،وہ فتح مکہ کے بعد سارے حجاز و نجد اور عرب کے دارایمان بن جانے کے بعد بھی اپنے دارالہجرت یعنی مدینہ ہی میں رہے اور وہاں سے واپس اپنے گھروں کو مکہ یا اپنی سابق بستیوں میں نہیں گئے ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فتح مکہ تک جو ہجرت لازمی تھی ،اس سے وہ قبائل مستثنیٰ قرار دےدیئے گئے تھے جو سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تھے اور جن کے اپنے علاقے مکہ کے اردگرد یا مدینہ سے قریب تھے،مثلاً مزینہ اور اسلم کے قبائل کو فتح مکہ سے قبل اسلام لانے کے باوجود اپنے اپنے علاقوں میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا،کیونکہ انہیں وہاں بھی مذہبی آزادی حاصل تھی،اور وہ اسلامی عقائد کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے،اس سے اسلامی ریاست کی وسعت اور اس کے دائرہ اثر میں اضافہ بھی مقصود تھا اور نتیجتاً دارایمان کی قوت وشوکت میں ترقی کا بھی امکان تھا۔(۸)

ایک اور اہم نکتہ:

ہجرت کے لغوی ولفظی مفہوم سے متعلق ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ سامی زبانوں میں اس لفظ کا ایک اور مفہوم بھی ہے،قدیم عربی زبان جسے ہم حمیری یا یمنی کہتے ہیں اور نیز حبشی زبان میں کہ وہ بھی حمیری ہی کی ایک شاخ اور عربی کے کوکھ سے جنمی ہے،''ہجر'' کے معنی ''شہر'' کے ہیں،علامہ مرتضی زبیدی نے اپنی کتاب لغت تاج العروس میں بذیل مادہ ہجر لکھا ہے کہ ہجر کے معنی حمیری (یعنی عربی) زبان میں شہر کے ہیں،مشہور عالم لغت ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے کہ:

اصل الھجرة عند العرب خروج البدوی من بادیته الی المدن،

یقال ھاجر الرجل، اذا فعل ذالک۔

عربوں کے نزدیک ہجرت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ کوئی بادیہ نشین بدوی اپنے صحرائی ٹھکانے سے نکل کر شہروں کی جانب منتقل ہوجائے، جب وہ یہ نقل مکانی

کرتا ہے تو کہاجاتا ہے ھاجر الرجل آدمی نے ہجرت کی۔

ہجرت کے اس دوسرے مفہوم کی رو سے یہ معلوم ہوا کہ دار ہجرت کو منظم، متمدن اور باضابطہ شہر ہونا چاہئے، جو اپنے ہاں آباد ہونے والے افراد کو ایک نظام، ایک ضبط ونظم اور ایک تمدن سے روشناس کر سکے اور اس کی جانب ہجرت کرنے والے گو بدوی نہ ہوں مگر جہاں سے بھی آئیں نو آباد شہر کے مقابلے میں تمدن وحضارت میں ان کے سابق علاقے کم تر اور پس ماندہ ہوں۔(۹)

ہجرت کا مقصد اور اہمیت:

ہجرت کے لغوی معانی کی توضیح کے ضمن میں اس کے مقصد کی وضاحت بھی کسی قدر ہو چکی ہے، لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کی وضاحت مزید کی جاتی ہے، تا کہ ہجرت کی اہمیت اور اس کی غرض و غایت الم نشرح ہو جائے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قرآن مجید میں ہجرت کا بار بار ذکر کر کے اس کی اہمیت کو نمایاں کیا گیا ہے، اسلام میں ہجرت کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے دین کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق زندگی بسر کر سکے اور اپنے عقائد پر عمل کرنے کی اسے مکمل آزادی ہو، وہ اپنے دین کی خاطر دنیا کی ہر ترغیب اور ہر ترہیب سے بے نیاز ہو سکتا ہے اور اس کے لئے اپنی جان تک قربان کر سکتا ہے، اگر اسے کسی خطے میں ہر قسم کی مادی آسائش میسر ہو مگر دینی آزادی سے وہ محروم ہو تو وہ وہاں سے ایسے علاقے کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور ہوگا، جہاں وہ اپنے عقیدے کے مطابق اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر زندگی بسر کرے، اسی لئے اسلام میں جہاد کے بعد ہجرت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، مسلمان مکہ میں اپنے آباؤ اجداد کے زمانہ سے مقیم تھے، ان کے اعزہ واقارب ان کے پڑوس میں تھے، ان کا قبیلہ، قریش شہر میں رودار، صاحب اقتدار اور عرب میں مقتدا و پیشوا تھا، معاشرتی حقوق ان مسلمانوں کو بھی کفار کے مساوی حاصل تھے، کاروبار کی انہیں آزادی تھی اور ان کی معاش پر کوئی پابندی نہ تھی، ان میں کئی حضرات قریش کے متمول ترین اور معزز ترین افراد میں شمار ہوتے تھے، غرض انہیں اپنے شہر میں ہر طرح کے حقوق اور ہر مادی سہولت حاصل تھی، مگر جس چیز کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے گھربار چھوڑا، عزیزوں اور قرابت داروں کو چھوڑا، جائیدادیں چھوڑیں اور ہر معاشرتی تعلق کو توڑ دیا، وہ چیز یہ تھی کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کو آزادی میسر نہ تھی، اسی آزادی کی خاطر انہوں نے وطن چھوڑ دیا، اور ایک دوسرے شہر میں جا کر بس گئے۔

اسی وجہ سے جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کے ظلم و ستم کی حد ہوگئی تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہجرت کے لئے ذہنی طور سے تیار کرنا شروع کیا، فرمایا گیا:

يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِىْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعْبُدُوْنَO (۱۰)

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین وسیع ہے، پس تم میری عبادت کرو۔

اس آیت میں ہجرت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر مکہ میں اللہ کی عبادت کرنا مشکل بنا دیا گیا ہے، تو وہاں سے نکل جاؤ، اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے، تم جہاں بھی اللہ کے بندے کی حیثیت سے رہ سکتے ہو، وہاں چلے جاؤ، یہاں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اگر کسی وقت قوم، وطن اور ملک کی محبت کے تقاضے اللہ کی بندگی کے تقاضوں سے متصادم ہوں، تو جو سچا مومن ہے وہ اللہ کی بندگی کرے گا اور قوم، ملک و وطن کو چھوڑ دے گا، کیوں کہ اللہ کی بندگی ہر چیز سے عزیز تر ہے جس پر وہ ہر دنیوی چیز کو قربان کر دے گا، اس راہ میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جس میں ایک مومن عالم اسباب کے تمام سہاروں سے بے نیاز ہو کر محض اللہ کے بھروسے پر جان جوکھوں کی بازی لگا دیتا ہے، ایسے ہی لوگوں کی قربانیاں آخر کار وہ وقت لاتی ہیں جب اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں سارے کلمے پست ہو جاتے ہیں۔ (۱۱)

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایسا پہلا مرحلہ اس وقت آیا جب اہل ایمان نے کلمۂ حق کی بلندی کی غرض سے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور وطن سے دور ایک اجنبی ماحول میں رہنا پسند کیا، دوسرا مرحلہ ہجرت مدینہ کا آیا، جب مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اپنے گھر چھوڑے، خاندانی تعلقات توڑے، معاشی وسائل سے بے نیاز ہوئے اور زمین کی محبت سے منہ موڑ کر محض کلمۂ حق کی سربلندی کی خاطر مکہ سے یثرب کی جانب ہجرت کی، ان بے سروسامان لوگوں کی ہجرت، مادہ پرست نگاہوں میں بے حقیقت اور بے رنگ تھی، لیکن جب اسی واقعے کے آٹھویں سال انہی بے سروسامانوں نے مدینہ سے سیل بے اماں کی صورت بطحائے حجاز کا رخ کیا، تو ظلم و عناد کے انبار خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے، اللہ کے گھر (کعبہ) سے بتوں کی آلائشیں دھل گئیں، اور جباران قریش کی گردنیں یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، دعائے خلیل و نوید مسیحا کے حضور جھک گئیں۔

ہجرتِ مدینہ کی اجازتِ عام:

مورخ احمد بن یحییٰ البلاذری کی روایت ہے کہ ذوالحجہ ۱۳ نبوی میں بیعت عقبۂ ثانیہ کے سبب کفار قریش کے مخالفانہ جذبات میں شدت آگئی، یہ دیکھ کر کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دار ہجرت مل گیا

ہے او روہاں ان کے حامیوں اور مددگاروں کی ایک پر جوش جماعت تیار ہوگئی ہے، انہوں نے مسلمانوں پر اپنے مظالم میں اور تیزی پیدا کردی اور ان پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کیا، اس نئے ابتلا سے عاجز آکر مکہ کے مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان لوگوں کو یثرب ہجرت کرجانے کی اجازت دے دی، اس اذن عام کے بعد مسلمانوں نے مکہ سے تنہا، خفیہ، باجماعت اور علانیہ یثرب کی جانب رخت سفر باندھنا اور نئے دارالہجرت کا رخ کرنا شروع کردیا، اسی طرح مہاجرین حبشہ کو جب مدنی ہجرت کی اطلاع ملی تو ان میں سے بھی کچھ لوگ مکہ واپس آئے اور وہاں سے یثرب کی جانب ہجرت ثانیہ کی، اس اجازت کے بعد مدینہ جانے والے مہاجرین میں حضرات مصعب بن عمیر، ابن ام مکتوم، ابوسلمہ مخزومی، عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ لیلیٰ بنت ابی خیثمہ عدویہ، عثمان بن عفان او ران کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ، ابوحذیفہ، سالم مولائے ابی حذیفہ، عمر بن خطاب، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، حمزہ بن عبدالمطلب، زید بن حارثہ، بلال اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں، بعض ایسے مہاجرین بھی تھے جن کا سارا کنبہ مکہ سے اٹھ کر مدینہ آگیا، مثلاً بنواسد بن خزیمہ حلیف بنی امیہ اپنے خاندان کے اٹھائیس مرد و زن کے ہمراہ ہجرت کرکے مدینہ آئے اور مکہ میں ان کے مکانوں میں تالے پڑ گئے، اسی طرح قبیلہ بنی عدی کے حلیف بنوبکر (یا بنوابی بکر) کا پورا خاندان مکہ سے مدینہ آگیا او رحضرت عمرؓ کے سسرالی بنومظعون جمحی بھی سب کے سب ہجرت کر گئے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیس قرابت داروں کے ہمراہ علانیہ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے، ان میں ان کے بھائی زید بن خطاب، چچا زاد بھائی سعید بن زید بن عمرو، داماد خنیس بن حذافہ بھی شامل تھے، اس بارے میں کہ سب سے پہلے کن صاحب نے مدینہ ہجرت کی روایتیں مختلف ہیں، اکثر روایتوں میں ہے کہ حضرات مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم نے سب سے پہلے ہجرت کی، مگر بعض دوسری روایتوں میں مذکور ہے کہ حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی نے سب سے پہلے ہجرت کی او ران کی ہجرت ۱۲ نبوی میں ہوئی، عورتوں میں ان کی اہلیہ حضرت ام سلمہ نے سب سے پہلے ہجرت کی ۔(۱۲)

حضرت ام سلمہ کی بپتا:

مکہ سے ہجرت کرنے والے سبھی حضرات نے جانی و مالی نقصان اور اذیت برداشت کی مگر حضرت ابوسلمہ او ران کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ کی داستان بڑی دردناک ہے، یہ دونوں نسلی لحاظ سے بنو

مخزوم سے تعلق رکھتے تھے، اور اپنے اہل خاندان کی اذیت کشی کے ہاتھوں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے، وہیں ان کے صاحب زادے سلمہ پیدا ہوئے، جب انہیں یہ پتا چلا کہ اہل یثرب نے اسلام قبول کر لیا ہے اور مسلمانوں کو ایک دارالامن میسر آ گیا ہے تو یہ میاں بیوی مکہ واپس آ گئے اور وہاں سے یثرب روانہ ہوئے، کفار نے ان کی روانگی کی مزاحمت کی، حضرت ام سلمہ کے گھر والے آ گئے، انہوں نے ابو سلمہ سے کہا کہ ہماری لڑکی کو ہمارے ہاں سے لے جانے کا تمہیں حق نہیں ہے، تنہا جانا چاہو تو جا سکتے ہو، چنانچہ حضرت ابو سلمہ بیوی اور بچے کو تنہا چھوڑ کر یثرب روانہ ہو گئے، اب ان کے خاندان کے کفار آ گئے اور کہا کہ ابو سلمہ کا بچہ ہمارے خاندان کا ہے، اسے ہم ام سلمہ کے ساتھ ان کے میکے والوں کے پاس نہ جانے دیں گے، چنانچہ انہوں نے بچہ کو ماں سے چھین لیا، اسی چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اتر گیا جو اس کی موت تک اترا ہی رہا، اب حضرت ام سلمہ کا یہ حال کہ شوہر یثرب چلے گئے، بیٹا سسرالی چھین کر لے گئے اور خود وہ اپنے میکے والوں کے ہاں رہنے پر مجبور۔ ایک سال تک وہ روتی، بلکتی رہیں اس کے بعد انہیں یثرب جانے کی اجازت ملی اور وہ اپنے بچے کے ساتھ وہاں پہنچیں۔ (۱۳)

حضرت صہیبؓ کی فدائیت:

اسی طرح حضرت صہیب بن سنان کا واقعہ بھی عبرت انگیز اور سبق آموز ہے، وہ جب ہجرت کے مقصد سے مکہ سے نکلنے لگے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور بولے کہ تم ہمارے ہاں مفلس اور قلاش آئے تھے، یہاں آہن گری کے توسل سے مالدار بن گئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارے مال کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ، حضرت صہیب نے کہا، اگر میں اپنا سارا مال تم لوگوں کو دیدوں تو مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا "ہاں" چنانچہ انہوں نے اپنا سارا مال کفار کے حوالے کیا اور ہاتھ جھاڑ کر راہ خدا میں نکل کھڑے ہوئے۔ (۱۴)

مستضعفینِ مکہ:

مگر مکے سے سبھی ہجرت کرنے والے اتنے خوش قسمت نہ تھے کہ اپنی جان سلامت لے کر یثرب پہنچ جاتے، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی، ہشام بن عاص بن وائل سہمی اور عبداللہ بن سہیل بن عمرو کو ان کے بے رحم اور سنگ دل قرابت دار فریب یا جبر سے ہجرت سے باز رکھنے میں وقتی طور پر کامیاب ہو گئے اور ان لوگوں اور ان جیسے دوسرے اصحاب کو مکہ میں قید و بند کی تکالیف سے کئی سال تک گزرنا پڑا۔

انہیں لوگوں کو قرآن میں مستضعفین یعنی بے یار و مددگار کہا گیا ہے۔ (۱۵)

آں حضرت ﷺ کو اجازت ہجرت کا انتظار:

مکے سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت ایک اعتبار سے مکمل ہوگئی کہ وہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی مسلمان نہ رہ گیا الا یہ کہ ایسے لوگ جن کے خاندان والوں نے انہیں قید کردیا، یا فریب سے روک لیا یا ایسی خواتین جو بے یار و مددگار تھیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اذنِ ہجرت ملنے کے منتظر تھے اور اپنی ہم سفری کی غرض سے آپ ﷺ نے ابوبکر صدیقؓ کو مکہ میں روک لیا تھا اور حضرت علیؓ کو بعض ذاتی کاموں کے لئے اذنِ ہجرت نہ دیا تھا، یوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یہ دو جان نثار اللہ کی جانب سے اذنِ ہجرت کے انتظار میں تقریباً دو ماہ مکہ میں کفار کے نرغے میں ٹھہرے رہے، اس دوران میں حضرت ابو بکر صدیق نے سفرِ ہجرت کی تیاری شروع کردی تھی اور دو اونٹنیوں کو کھلا پلا کر تیار کر لیا تھا کہ جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنے کا حکم ملے گا چل پڑیں گے۔ (۱۶)

آں حضرت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش:

کفار قریش نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کو ایک مستحکم مقام امن میسر آگیا ہے، اوس و خزرج کے دو نہایت جنگ آزمودہ قبیلے اسلام کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ ہیں اور مکہ سے جان نثاروں کا ایک بڑا گروہ یثرب پہنچ چکا ہے، اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں چلے گئے، تو اس سے ان کے لئے ایک بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا، یثرب اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے ان (قریش) کے شامی کاروان تجارت کے لئے خطرہ بن سکتا ہے، نیز یمن سے شام و عراق جانے والے کاروانی راستے پر بھی یثرب کے مرکز سے زد پڑ سکتی ہے، پھر شہر کی طبعی حیثیت قلعہ نما استحکام رکھتی ہے، مشرق و مغرب کی سمتوں میں دشوار گزار حرات ہیں جن سے ہو کر شہر میں داخل ہونا ناممکن ہے، جنوب میں نخلستانوں، کھیتوں، دیوار بند باغوں اور بلند مکانات کی وجہ سے بیک وقت ایک شتر سوار سے زیادہ کا گزرنا ممکن نہیں ہے، کوہ احد اور کوہ عسیر شہر کے دو قوی ہیکل محافظ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے اس اہم شہر پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اقتدار ان (قریش) کی معاش، چودہراہٹ اور مرکزیت کے لئے سخت خطرہ بن سکتا ہے، سو انہوں نے طے کیا کہ

آپ ﷺ کے یثرب جانے کا راستہ روکا جائے، کفار کی اس تجویز کا قرآن میں یوں ذکر فرمایا گیا ہے:

وَاِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ؕ وَیَمۡکُرُوۡنَ وَ یَمۡکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ۝ (۱۷)

اور اے نبی (ﷺ) اس وقت کو یاد کیجئے، جب کفار آپ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کردیں یا قتل کرڈالیں یا جلاوطن کردیں، وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اس غرض سے روسائے قریش کا ایک خفیہ اجلاس دارالندوہ میں منعقد ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خطرے کا سدِ باب کس طرح کیا جائے، ابوالبختری بن عاص بن ہاشم نے یہ صلاح دی کہ محمد کو مکہ سے نکال باہر کرو، پھر جو چاہیں کریں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہ ہوگا، بعض نے یہ رائے دی کہ انہیں زنجیروں سے جکڑ کر قید میں ڈال دیا جائے اور اسی حال میں ان کی موت واقع ہو جائے گی، مگر کافی ردو کد کے بعد ابو جہل کی یہ رائے سب نے مان لی کہ (نعوذ باللہ) تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسب، بہادر نوجوان منتخب کیا جائے اور یہ سب مل کر ایک بارگی محمد (ﷺ) پر حملہ کرکے انہیں قتل کردیں اس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف کے لئے سب سے لڑنا ناممکن ہو جائے گا، ابوجہل کی رائے پر سب متفق ہو گئے، قتل کے لئے نوجوان چن لئے گئے اور اس کے لئے رات کا وقت مقرر کردیا گیا، اس ساری کاروائی کو اس حد تک پوشیدہ رکھا گیا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائی، اس کے بعد کفار قریش اپنے سازشی منصوبے پر عمل درآمد میں مصروف ہو گئے مگر دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔ (۱۸)

آں حضرت ﷺ کو اذنِ ہجرت:

اس نازک وقت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مکے سے ہجرت کرجانے کی اجازت دے دی گئی، ارشاد ہوا:

وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ۝ (۱۹)

اور اے نبی دعا کیجئے کہ اے میرے رب مجھے داخل کرسچائی کے ساتھ داخل ہونے کی جگہ میں اور مجھے نکال سچائی کے ساتھ نکلنے کی جگہ سے اور کسی طاقت کو

میرا مددگار بنا دے۔

یہ اجازت منصوبۂ قتل والی رات کے پہلے آنے والے دن میں ملی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت خلاف معمول حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لائے اور اندر آکر حضرت ابو بکر صدیق کو اذن ہجرت سے آگاہ کیا، دونوں نے سفر ہجرت کے بارے میں فیصلہ کیا بنو وائل کے ایک شخص عبداللہ اُریقط کو اجرت پر رہنمائی کے لئے مقرر کیا اور حضرت ابوبکر صدیق کی دونوں اونٹنیوں کو اس ہدایت کے ساتھ اس کے حوالے کیا کہ جس وقت ہم بلائیں، اس وقت انہیں لے کر اس جگہ پہنچ جانا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس آگئے، اور رات ہونے تک وہیں رہے تاکہ کفار کو یہ شبہ نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے منصوبے کی خبر ہو چکی ہے۔

رات کے وقت طے شدہ منصوبے کے مطابق قریش کے بارہ آدمیوں نے جو آپ ﷺ کے قتل پر مامور تھے، آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، چونکہ عربوں میں دیوار پھاند کر گھر میں گھسنا معیوب سمجھا جاتا تھا، اس لئے یہ سفاک گھر کے باہر پہرہ دیتے رہے کہ صبح کے جھٹ پٹے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرنے خانہ کعبہ جائیں گے تو اندھیرے میں ایک بارگی نعوذ باللہ ٹوٹ کر ان کو قتل کر دیں گے، ادھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی چادر اڑھا کر اپنے بستر پر سلا دیا، اور یہ ہدایت کر دی کہ لوگوں کی جو امانتیں آپ کے پاس رکھی ہوئی ہیں، انہیں ان کے مالکوں تک پہنچا ئیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے نکلے اللہ نے محاصرین کو غافل کر دیا، آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لائے اور انہیں ساتھ لے کر راتوں رات چل کر مکہ سے کوئی تین میل دو رثور نامی ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی۔(۴۰)

غارثور میں پناہ لینے کی حکمت:

کوہ ثور میں پناہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ یہ پہاڑ مکہ کے جنوب میں یمن کے راستے پر ہے، جبکہ مدینہ مکہ کے شمال میں شام کے راستے پر واقع ہے، کفار مکہ کو اس بات کا علم تھا کہ آپ ﷺ مدینہ جائیں گے اس لئے ان کے خیال میں آپ ﷺ کو شہر کے شمال کی جانب جانا تھا اور جنوب کی طرف جانا بظاہر مستبعد تھا، اس لئے لازماً ان کے کھوجی شمالی سمت پر توجہ دیں گے اور جنوبی رخ پر ان کی توجہ نہ ہوگی، سو ثور کے غار میں قیام شمالی سمت کے کسی غار میں پناہ لینے سے زیادہ محفوظ تھا، اس غار میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قیام تین رات دن رہا، حضرت ابوبکر صدیق نے یہ انتظام کیا تھا کہ ان کے نوجوان صاحبزادے حضرت عبداللہؓ دن بھر قریش میں رہیں، ان کے متعلق خبریں جمع کریں اور رات کو غارِ ثور میں آ کر تمام اطلاعات پہنچائیں، وہیں سوئیں اور صبح کے جھٹ پٹے میں پھر شہر میں چلے جائیں، ان کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ شام کے وقت کھانا پہنچائیں اور ان کے خادم حضرت عامرؓ بن فہیرہ دن بھر ان کی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چرا کر انہیں شام کے وقت جبلِ ثور کے قریب لائیں، بکریوں اور بھیڑ کا دودھ آں حضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پلائیں اور قدم کے تمام نشانات مٹاتے ہوئے واپس مکہ چلے جائیں، اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس انتظام کی بدولت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ ہوئی اور اللہ کے امان و حفظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیق غار رہے۔ (۲۱)

غارِ ثور کے قیام کے دوران میں ایک ایسا بھی لمحہ آیا کہ کفارِ قریش آپ دونوں کو تلاش کرتے کرتے غار کے دہانے تک پہنچ گئے، حضرت ابوبکر صدیق نے یہ دیکھ کر آپ ﷺ سے کہا "یا رسول اللہ، اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے پاؤں کے نیچے دیکھے تو ہمیں دیکھ لے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابوبکر تمہارا کیا خیال ہے ان دو آدمیوں کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ ہے؟" اس پر حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: "اللہ کی قسم میں اپنے لئے فکر مند نہیں ہوں، بلکہ ڈرتا ہوں کہ کہیں میری آنکھوں کے سامنے آپ ﷺ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے"۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "غم نہ کرو، اللہ ہمارے (ہم دونوں کے) ساتھ ہے" قرآن کی سورۂ توبہ میں اسی جانب اشارہ ہے:

فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ
اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (۲۲)

اللہ نے ان (نبی) کی مدد اس وقت کی ہے، جب انہیں (مکہ کے) کافروں نے نکال دیا تھا، جب وہ دو میں کے ایک تھے، جبکہ وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی (صاحب) سے کہہ رہے تھے غم نہ کرو، اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

بہرکیف جب کفارِ قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے یہ اشتہار دیا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو پکڑ لائے یا قتل کر دے اسے ان دونوں کی دیت دی جائے گی، یعنی سو سو (دو سو) اونٹ۔ (۲۳)

غار ثور سے روانگی:

تین شب و روز غار میں مقیم رہنے کے بعد پیر کی رات کو ربیع الاول ۵۴ عام فیل کی ۴ تاریخ کو آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر غار ثور سے نکل کر مدینہ کے سفر پر روانہ ہوئے، رات کے وقت حضرت اسماء بنت ابی بکر نے زادِ راہ ایک تھیلے میں رکھ کر پیش کیا، عبداللہ بن اریقط دونوں اونٹنیاں لے کر آ گیا، حضرت ابو بکر نے اخراجات سفر کے لئے گھر سے نکلتے وقت پانچ ہزار درہم کر دہی ان کی کل جمع پونجی تھی، ساتھ لے لئے تھے، ایک اونٹنی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری پر حضرت ابو بکر اور ان کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فُہیرہ سوار ہوئے، راہ نما عبداللہ بن اریقط پیدل راستہ بتاتا ہوا آگے آگے چلا، قریش کے خوف سے مدینہ کا معروف راستہ اختیار کرنے کے بجائے غیر معروف راستہ اختیار کیا گیا، جو دراز بھی تھا اور دشوار گزار بھی، آغاز سفر کے دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کے نیچے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرے آرام کیا، یہیں ایک چرواہا ملا، حضرت ابو بکر نے بکری کا دودھ نکلوا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، کچھ دیر آرام کے بعد پھر سفر شروع ہوا۔(۲۴)

سراقہ بن جعشم کا واقعہ:

قریش کے انعامی اشتہار کا آس پاس کے قبائل کو علم ہو چکا تھا، قریش کے آدمیوں نے اس انعام کی خبر کو اردگرد کے علاقوں میں پھیلا دیا تھا، چنانچہ بنی مدلج کے سردار سراقہ بن جعشم کو بھی اس کی خبر ہو گئی تھی اور وہ انعام کی طمع میں اپنے علاقے سے نکل کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، اثنائے راہ میں اس نے آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر کو دیکھ لیا، سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے بڑھا، گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ زمین پر گر پڑا، مگر دوسو اونٹوں کا انعام سمند حرص کو مہمیز دے رہا تھا، اٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل نزدیک آ گیا، اب کے اس کے گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور وہ اس پر سے گر پڑا، اس آیت الٰہی اور معجزۂ نبوی سے سراقہ بن جعشم پر لرزہ طاری ہو گیا، اس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کی اور عرض کیا کہ اسے ایک امان نامہ لکھ کر دے دیا جائے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عامر بن فُہیرہ نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر سراقہ کو امان نامہ لکھ کر دے دیا، اس کے بعد سراقہ واپس چلا گیا، غزوۂ ہوازن کے بعد یہ سراقہ بن

بشمول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئے۔(۲۵)

اُمِّ معبد:

جناب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عامر بن فُہیرہ اور عبداللہ بن اُریقط، سراقہ کے علاقہ قدید سے چل کر بنوخزاعہ کی ایک خاتون ام معبد کے صحرائی خیمے میں پہنچے، وہاں قدرے قیام فرمایا، قحط کا زمانہ تھا اس لئے کھانے کی کوئی چیز اس کے پاس نہ مل سکی، خیمے کے ایک کونے میں ایک لاغر اور کمزور بکری کھڑی تھی، دریافت کرنے پر ام معبد نے بتایا کہ اس کے تھن سوکھ چکے ہیں اور یہ اس قدر لاغر ہے کہ دودھ دے ہی نہیں سکتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس مریل بکری میں اتنی توانائی آگئی کہ اس کے تھن سے دودھ کی دھار بہنے لگی، اس دودھ کو ام معبد اور جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے پیا اور شکم سیر ہوگئے، پھر بھی کافی دودھ بچ رہا، اس کے بعد یہ مقدس قافلہ آگے روانہ ہوا۔(۲۶)

مدینہ میں آں حضرت ﷺ کا انتظار:

اہل مدینہ کو اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ سے بقصد ہجرت نکل چکے ہیں، چنانچہ وہ لوگ آپ ﷺ کی آمد کے لئے سراپا انتظار تھے، ہر روز صبح کے وقت یہ لوگ اپنی بستیوں سے نکل کر مکے کے راستے پر بیٹھ جاتے تھے اور اس وقت تک بیٹھے رہتے تھے جب تک کہ دھوپ کی تپش ناقابل برداشت نہ ہوجاتی تھی، اس کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے تھے، جس دن یہ مقدس مہاجرین مدینہ کی بیرونی بالائی بستی قبا میں پہنچے تو دوپہر ہو چکی تھی، بستی کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر کے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے۔

آں حضرت ﷺ کی قبا میں تشریف آوری:

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، جس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری یثرب کی بالائی بستی عوالی یا قباء میں پہنچی تو مسلمان آپ ﷺ کی آمد کا انتظار کر کے واپس جا چکے تھے، دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ تیز تھی، آپ کی آمد کی خبر اہل قبا کو کیسے ہوئی، اس میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ حرۂ قبا کے قریب پہنچ کر اتر گئے، انصار کو خبر کرنے کے لئے کسی کو بھیجا، یہ خبر ملتے ہی لوگ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنی بستی میں لے گئے، دوسری روایت

کے مطابق جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبا کے قریب پہنچے تو ایک یہودی جو کسی کام سے اپنے مکان کی چھت پر چڑھا ہوا تھا آپ ﷺ کو دیکھ کر چلایا کہ ''اے بنی قیلہ (اوس وخزرج کی ماں کا نام قیلہ تھا اس نسبت سے وہ بنی قیلہ یعنی قیلہ کے بیٹے بھی کہلاتے تھے) یہ تمہارے سردار آپہنچے''۔ یہ سنتے ہی اوس کی شاخ بنوعمرو بن عوف جو قبا میں رہتی تھی، جمع ہوگئی، سب نے ایک آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ہتھیار لگا کر آپ ﷺ کے استقبال کو نکل پڑے، ادھر آں حضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اپنی سواریوں سے اتر کر کھجور کے ایک درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، مسلمانوں کا ہجوم وہاں پہنچا اور آپ ﷺ کو اپنی بستی میں عزت واحترام سے لایا، ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ قبا کے قریب پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن فہیرہ یا عبداللہ بن اریقط کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے قبا بھیج دیا ہوگا، دوسری جانب آپ ﷺ کو دیکھ کر اس یہودی نے بھی پکار دیا ہوگا کہ آپ تشریف لے آئے ہیں۔ (۴۷)

بہر کیف یہ مبارک اور پرخطر سفر ہجرت بارہ دن کے طویل اور مشقت انگیز لمحات کے بعد اختتام کو پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یکم ربیع الاول کی رات میں غارِ ثور میں روپوش ہوئے، تین رات دن وہاں ٹھہرے رہے، ۴/ربیع الاول کو رات کے وقت وہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور غیر معروف دشوار گزار راہوں سے چل کر پیر کے دن دوپہر کے وقت قباء پہنچے، یہ تاریخ تھی ۱۲/ربیع الاول اور بعثت نبوی ﷺ پر تیرہ سال گزر چکے تھے، شمسی مہینے کے مطابق تاریخ ۲۴/ستمبر ۶۲۲ء تھی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبا پہنچنے کی تاریخ کو اسلام میں نہایت اہمیت حاصل ہے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی سال کا آغاز اسی وقت ہجرت سے کیا گیا، مگر چونکہ عربوں کے سال کا آغاز یکم محرم الحرام سے ہوتا تھا اس لئے سن ہجرت کو دو ماہ اور گیارہ دن پیچھے کر کے سال کے دنوں کی گنتی پوری کر دی گئی۔ (۴۸)

قباء کی بستی میں قیام:

قبا میں قبیلۂ اوس کی شاخ بنوعمرو بن عوف کی آبادی تھی، یہاں کے رئیس قبیلہ حضرت کلثوم بن ہدم تھے، دوسرے رئیس حضرت سعدؓ بن خیثمہ تھے، انہیں دونوں کے ہاں متعدد مہاجرین مکہ مقیم تھے، آپ ﷺ نے بھی حضرت کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام فرمایا، مگر آپ کی نشست زیادہ حضرت سعد بن خیثمہ کے ہاں رہتی تھی کیوں کہ ان کا مکان وسیع تھا اور ان کے ہاں عیال واطفال کا بکھیڑا نہ تھا، یہاں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے چودہ دن تک قیام فرمایا، یہیں حضرت علی مکہ سے لوگوں کی امانتیں واپس کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۲۹)

مسجد قبا کی تعمیر:

قبا میں قیام کے دوران میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسجد تعمیر فرمائی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہوئی اور آج بھی موجود ہے، قرآن میں اس مسجد کا ذکر بطور خاص کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ O (۳۰)

وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں (نماز ادا کریں) اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور اللہ صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس مسجد کی تعمیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین نے بشمولیت حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ حصہ لیا اور انصار مدینہ کے شانہ بشانہ مزدوری کی۔(۳۱)

مدینے میں داخلہ:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں چودہ دن قیام کے بعد جمعہ کے دن مدینہ روانہ ہوئے، بنی سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت ہوگیا، آپ ﷺ نے اس مسجد میں جمعہ پڑھایا اور خطبہ دیا، یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ ﷺ کی امامت میں پڑھا گیا، نماز کے بعد آپ مدینہ روانہ ہو گئے، راستے میں انصار کے جس محلے سے آپ ﷺ کا گزر ہوتا وہاں کے لوگ آپ سے اپنے ہاں قیام کی درخواست کرتے اور آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے اسے چھوڑ دو یہ مامور ہے اور اس جگہ جا کر ٹھہرے گی جہاں اللہ نے اسے ٹھہرنے کا حکم دیا ہے، جب اونٹنی بنی مالک بن نجار کے محلے میں پہنچی تو ٹھیک اس جگہ جا کر ٹھہر گئی جہاں اب مسجد نبوی ﷺ ہے۔(۳۲)

حضرت ابوایوبؓ کے گھر قیام:

اونٹنی کے بیٹھ جانے کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتر گئے، آپ ﷺ نے دریافت

not

فرمایا کہ ہمارے اصحاب میں سے کس کا گھر یہاں سب سے زیادہ قریب ہے، قبیلۂ بنو مالک بن نجار کے حضرت ابوایوب خالدؓ بن زید نے عرض کیا: میرا یا رسول اللہ! یہ سامنے میرا گھر ہے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کے ہاں قیام کا ارادہ فرمایا، اور وہ آپ ﷺ کا سامان اپنے ہاں اٹھا کر لے گئے، یاد رہے کہ قبیلۂ خزرج کی شاخ بنونجار سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی سلمٰی بنت عمرو کا تعلق تھا، انہی کے بطن سے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے اور سن رشد کو پہنچ جانے سے پہلے انہی کی تربیت میں رہے تھے، عبدالمطلب کے مکے جانے کے بعد اسی خاندان کے لوگ ان کی حمایت میں مکہ آئے تھے اور ان کے چچاؤں سے ان کا حق انہیں دلوایا تھا، یہیں بنونجار کی بستی میں آپ ﷺ کے والد جناب عبداللہ نے انتقال کیا تھا اور یہیں ان کی قبر تھی، آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ اسی کی زیارت کے غرض سے آپ کو بچپن میں یثرب لائی تھیں اور واپسی میں مقام الابواء میں انہوں نے سفرِ آخرت اختیار کیا تھا، اس طور سے بنونجار کو آپ ﷺ سے نسبی تعلق تھا اور یثرب کے دوسرے قبائل کے مقابلے میں ان کا حقِ جوار راجح تھا، اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی یہی تھی کہ آپ ﷺ کی اونٹنی انہی کی بستی میں آ کر بیٹھ گئی اور میزبانیٔ رسول کا شرف بنونجار کو حاصل ہوا اور ان میں بطورِ خاص اس خاندان کے حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاری کو رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مکان دو منزلہ تھا، ان کی خواہش تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل پر قیام فرمائیں کہ وہاں آرام اور سکون زیادہ تھا، لیکن آپ ﷺ نے نچلی منزل کو اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا کیوں کہ یہاں آپ کی خدمت میں آنے والوں کو زیادہ سہولت میسر تھی اور صاحبِ خانہ کو بھی نسبتاً زیادہ سہولت بالائی منزل پر قیام ہی کی صورت میں تھی، اہلِ مدینہ کو ذاتِ نبوی ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ حضرت ابوایوبؓ کے ہاں زمانۂ قیام میں ہر روز کئی کئی گھروں کے لوگ کھانا لے کر حاضر ہوتے تھے اور ان کی ضیافت سے آں حضرت ﷺ کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی بہرہ اندوز ہوتے تھے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں سات ماہ کے قریب قیام فرمایا اور مسجدِ نبوی کی تعمیر اور حجروں کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ ان کے ہاں سے منتقل ہوئے۔ (۳۳)

مکی دور پر نظرِ بازگشت:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لانے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمانے کے ساتھ ہی سیرتِ طیبہ کا ایک باب مکمل ہو گیا، آپ ﷺ کی مکی زندگی کے

تیرہ سالہ انتہائی ہنگامہ خیز اور بلا انگیز دور کا خاتمہ ہوا اور مدنی دور کا آغاز ہوا، یہ دور جو آپ ﷺ کی حیات دنیوی کے ساتھ ایک طرح سے اختتام و تکمیل کو پہنچا، پہلے دور سے زیادہ پر خطر، زیادہ ہنگامہ خیز اور زیادہ بلا انگیز ثابت ہوا، مکی دور مظلومی کا دور تھا، مجبوری کا زمانہ تھا اور صبر کا عہد تھا، مگر مدنی دور مظلومی کا دور بھی ہے، ہجوم آلام کا دور بھی ہے اور مدافعت کا عہد بھی ہے، طاقت کا عہد بھی ہے، مصائب و آلام کے ختم ہو جانے کا بھی دور ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کا بھی دور ہے، اسلام کی تاریخ کا یہ مدنی زمانہ بدر کی فتح عظیم کی داستان بھی ہے اور احد کی وقتی ہزیمت کا بیان بھی، یہ دور اس عظیم ابتلا کی بھی روئیداد ہے جو احزاب کے دل بادل کے شہر رسول ﷺ پر امنڈ آنے اور اہل ایمان پر آسمان و زمین تنگ ہو جانے کی وجہ سے مسلط ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اُس مرقع کی بھی اس دور میں رونمائی ہوئی جس میں حدیبیہ کی فتح مبین بھی مسلمانوں کے حصے میں آئی اور خیبر کے یہودی مار آستین کی پامالی بھی، اس مدنی دور میں وہ لحۂ جاں فزا بھی آیا کہ مکہ کے جباران سرکش کے سر اُس بظاہر بے سہارا اور بے یار و مددگار ذات کے حضور جھک گئے جسے انھوں نے اپنے شہر سے کہ شہر خلیل تھا، وطن ذبیح تھا اور میراث محمد ﷺ تھا، نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا اور وہی جو اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ اُس شہر اہل جفا سے چھپ چھپا تا رات کی تاریکی میں نکلا تھا، اپنے دس ہزار جان نثاروں کے جلوں میں دن کی روشنی میں کداء کی وادی سے اللہ کی فطرت کا پیکر اور رحمت کا پیمبر بن کر شہر خلیل میں داخل ہوا، اس مدنی دور میں چشم فلک نے وہ منظر بھی دیکھا کہ قبائل جوق در جوق اس کے آستانہ پاک پر حاضر ہو کر مرضی الٰہی کے حضور سر تسلیم خم کر رہے تھے، یہ وہی لوگ تھے کہ اللہ کے برگزیدہ نبی نے ان کے مجمعوں میں جا کر انہیں سچائی کی دعوت دی تھی، توحید کا درس دیا تھا اور یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ آپ کو اور آپ ﷺ کے پیروؤں کو اپنے ہاں پناہ دیں، اپنی بستیوں کو اسلام کا مرکز بنائیں اور حق کی سربلندی کے لئے سینہ سپر ہو جائیں، لیکن ان لوگوں نے اُس درخواست کو ٹھکرا دیا تھا، اُس آواز کو ان سنی کر دیا تھا اور اُس پیغام کو درخور اعتنا نہ سمجھا تھا۔

قصہ مختصر سیرت طیبہ کا یہ مدنی دور اللہ کی عظمت کی آیۂ عالیہ او رشانِ بزرگ ہے، یہ دور رسالت محمدی ﷺ کی صداقت پر، نبوت احمدی کی حقانیت اور ذات مصطفوی کی عظمت پر شاہد عدل ہے، اسی دور میں اللہ کی آخری کتاب کا نزول مکمل ہوا، دنیا سے وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہوا اور نبوت و رسالت کا آخری حامل بزرگ اللہ کے دین کی ابدی صداقت کے ساتھ سریر جلال و جمال پر متمکن ہوا اور دنیا کی فلاح و فوز کی خاطر اللہ کے آخری پیغام کو رہتی دنیا تک عام کیا، وہ ایسا سر چشمۂ ہدایت تھا جس سے عرفان و آگہی کے

سوتے پھوٹے، سوکھی انسانیت کی کھیتی ہری بھری ہوئی اور دنیا سچائی اور اچھائی کے پھولوں سے مہک اٹھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کشور کشائی اور باطل کی پسپائی کا بھی دور ہے، یہ گویا اس عظیم فتوحات کے عہد زریں کا نقطۂ آغاز ہے، جس میں نبی برحق ﷺ کے خلفائے برحق کے زیر فرمان، نبیٔ اکرم علیہ السلام کے دین کے پروانے عرب کی سرزمین بے آب وگیاہ سے سرفروشانہ نکلے، عراق، جبال، فارس، خراسان، بجستان، زابلستان وپاکستان پر اللہ کی حاکمیت قائم کردی، دوسری جانب بھی اسلام کے مجاہد اور اللہ کے سپاہی شام وجزیرے سے گزر کر ارمینیہ کے دشوار گزار پہاڑوں کو روندتے ہوئے بحیرۂ خزر کے ساحل تک پہنچے، ایک تیسری سمت میں یہ غازی، یہ اللہ کے پراسرار بندے مصر کی زرخیز وادیوں سے پرے صحرا کی تپتی زمین سے گزرتے ہوئے المغرب کے ریگ زاروں پر اپنی عظمت کے نشان ثبت کرتے ہوئے بحر روم اور بحر اوقیانوس کی بپھری ہوئی موجوں تک پہنچے، ان مجاہدین نے دشت وکوہ ہی کو سر نہ کیا بلکہ دریا و بحر کے بھی سینے چیر کر ان کے دوسرے کناروں تک جا پہنچے، اُن عظیم فتوحات کی بنیاد جو عہد خلافت راشدہ میں ممکن ہوئیں، اسی مدنی دور میں استوار کی گئی۔

سیرت طیبہ کا مدنی دور ریاستیں حکومت الٰہیہ، تنظیم امتِ محمدیہ اور تہذیب اخلاق انسانیہ کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور مرکز تکمیل بھی، اسی دور میں اللہ نے اپنا دین مکمل کیا، اہل ایمان پر اپنی نعمتیں پوری کیں اور اس دین کو انسانیت کی بقا ونجات کے لئے پسند فرمایا، اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ، ابتلا کی کٹھن گھڑی بھی ہے اور اعتلاء کی روشن کرن بھی اور نجات وفلاح کی نوید پرمسرت و جاں فزا بھی، اسی وجہ سے اسلام کی تاریخ میں واقعۂ ہجرت کو بڑی اہمیت دی گئی اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی تاریخ کا آغاز اسی سے کیا گیا۔

اللھم صلی علی سیدنا ومولانا محمد و بارک وسلم

حواشی وحوالہ جات

۳۔ علانیہ تبلیغ اور کفار کے مظالم

۱۔ القرآن، سورۃ الحجر، آیت ۹۴ تا ۹۶

۲۔ القرآن سورۃ الشعراء، آیت ۲۱۴۔۲۱۵

۳۔ طبری/ ج۲، ص۳۱۸،

۴۔ بخاری/ ج۱، ص۵۰۰۔ ابن سعد/ ج۱، ص۱۹۹، ۲۰۰۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۱۶۸، ۱۶۹۔ طبری/ ج۲، ص۳۱۹۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۴۰۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۳۸۔

۵۔ بلاذری/ ج۱، ص۱۱۸، ۱۱۹۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۴۰۔۴۱۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۶۲۔

۶۔ القرآن سورۃ العلق، آیت ۹ تا آخر سورۃ

۷۔ بلاذری/ ج۱، ص۱۲۶۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۴۳، ۴۴

۸۔ بلاذری/ ج۱، ص۱۲۵۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۴۴۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص۸۶

۹۔ القرآن، سورۃ القصص، آیت ۸۸

۱۰۔ القرآن، سورۂ اخلاص، آیت ۱

۱۱۔ القرآن، سورۂ جن، آیت ۲۰

۱۲۔ القرآن، سورۂ لقمان، آیت ۱۳

۱۳۔ القرآن، سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳

۱۴۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۱۸۳، ۱۸۴۔ طبری/ ج۲، ص۳۲۲، ۳۲۳۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۴۷، ۵۰

۱۵۔ القرآن، سورۃ القصص، آیت ۵۷

۱۶۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۱۳۲، ۱۳۳۔ سہیلی/ ج۱، ص۱۳۵۔

۱۷۔ القرآن، سورۂ مریم، آیات ۳۳ تا ۳۵

۱۸۔ القرآن، سورۂ نحل، آیت ۵۱

۱۹۔ اس کی تفصیل کے لئے مقالہ اول کے مباحث سے رجوع کیجیے۔

۲۰۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۱۰۸۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۶۴، ۶۵۔ سیرۃ النبی/ ج۱، ص۲۲۰

۲۱۔ القرآن، سورۃ انعام آیت ۵۳

۲۲۔ القرآن، سورۂ شعراء آیت ۱۱۱

۲۳۔ بلاذری/ ج۱، ص۱۱۵، ۱۴۴۔ ۱۵۰،

۲۴۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۲۸،۱۲۹۔طبری/ ج۲،ص۲۸۸۔ابن کثیر/ ج۳،ص۴۵

۲۵۔ القرآن، سورۂ فرقان، آیت ۷

۲۶۔ القرآن، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۹۵

۲۷۔ القرآن، سورۂ رعد، آیت ۳۸

۲۸۔ القرآن، سورۃ الفرقان، آیت ۶۰

۲۹۔ القرآن، سورۃ الانبیاء، آیت ۳۶

۳۰۔ القرآن، سورۂ زخرف، آیت ۵۸

۳۱۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۲۳۰۔سیرۃ النبی/ ج۱،ص۲۱۹۔ارض القرآن/ ج۲،ص ۲۰۹، ۲۴۹ و ۲۵۰۔تفہیم القرآن/ ج۳،ص۴۳۷

۳۲۔ ارض القرآن/ ج۲،ص۲۵۰،۲۵۱

۳۳۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۸۰۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۰۰،۲۰۱۔بلاذری/ ج۱،ص۱۴۳،۱۵۶

۳۴۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۸۷،۱۸۸

۳۵۔ بخاری/ ج۱،ص۵۱۹و۵۴۳۔ابن ہشام/ ج۱،ص۱۸۲۔ابن کثیر/ ج۳،ص۴۴،۴۶

۳۶۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص۸۶ بحوالہ انساب الاشراف بلاذری مخطوطہ، استنبول/ ج۱،ص۲۹۲

۳۷۔ ابن سعد/ ج۸،ص۳۶،۳۸۔اسد الغابہ/ ج۵،ص۴۵۶

۳۸۔ القرآن، سورۃ الکوثر، آیت ۳

۳۹۔ تفسیر الکشاف/ ج۴،ص۸۰۷،۸۰۸

۴۰۔ القرآن، سورۂ حم السجدہ، آیت ۲۶

۴۱۔ القرآن، سورۂ طور، آیت ۲۹،

۴۲۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۸۳،۱۸۴۔بلاذری/ ج۱،ص۱۲۸،۱۳۹۔ابن کثیر/ ج۳،ص۳۶،۴۰،۴۱

۴۳۔ بخاری/ ج۱،ص۵۵۲،۵۵۳۔ابن کثیر/ ج۳،ص۳۰

۴۴۔ بخاری/ ج۱،ص۵۴۳۔زادالمعاد/ ج۲،ص۴۳

۴۵۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۲۰۲،۲۰۴۔ابن کثیر/ ج۳،ص۵۷،۵۹

۴۶۔ القرآن، سورۂ ص، آیت ۶

۴۷۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۷۰،۱۷۱۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۰۲۔طبری/ ج۲،ص۳۳۴،۳۳۵۔ابن کثیر/ ج۳۔۴۷ وبعد

۴۸۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۸۶۔طبری/ ج۲،ص۳۳۶و۳۳۷۔ابن کثیر/ ج۳،ص۶۲

۴۹۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۵۰ بمواقع کثیرہ

۵۰۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۹۸۔۲۲۸۔ابن ہشام/ ج۱،ص۲۰۳۔۲۰۷۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۰۵

۵۱۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۵۲و۵۳۔ بلاذری/ ج۱، ص۲۲۷۔ ابن سعد/ ج۱، ص۲۰۶

۵۲۔ ابن سعد/ ج۱، ص۲۰۵۔ طبری/ ج۲، ص۳۴۰۔ سیرۃ النبی ﷺ/ ج۱، ص۲۴۴ وبعد۔ سیرت سرور عالم ﷺ/ ج۲، ص۵۷۰

۵۳۔ سورۃ النجم، آیات۱۹، ۲۳۔ تفسیر الکشاف/ ج۴، ۴۲۲، ۴۲۵۔

۵۴۔ بخاری/ ج۱، ص۴۹۹، ۵۴۴۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۳۴، ۳۶

۵۵۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۰۳ وبعد۔ سہیلی/ ج۱، ص۲۰۲۔ ابن سعد/ ج۱، ص۲۰۷۔ بلاذری/ ج۱، ص۱۹۸، ۲۰۸۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۵۱، ۵۴۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۶۶۔ بخاری/ ج۱، ص۵۴۶، ۵۴۷۔ زاد المعاد/ ج۲، ص۴۴، ۴۵

۵۶۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۱۱۔ سہیلی/ ج۱، ص۲۱۲۔ طبری/ ج۲، ص۳۳۵ وبعد۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۵۴۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۶۷ وبعد۔

۵۷۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۲۹۔ ابن سعد/ ج۱، ص۲۰۷۔

۵۸۔ طبری/ ج۲، ص۳۳۳

۵۹۔ ابن سعد/ ج۱، ص۹۵۔ طبری/ ج۲، ص۳۳۲۔ زاد المعاد/ ج۲، ص۴۶۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۵۹

۶۰۔ بخاری/ ج۱، ص۵۴۵۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۱۶۔ ۲۱۹، سہیلی/ ج۱، ص۲۱۶ وبعد۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۵۷۔ ۵۹۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۷۹۔ ۸۲۔ سیرۃ النبی/ ج۳، ص۲۳۲۔ ۲۳۷

۶۱۔ بخاری/ ج۱، ص۵۴۰۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۱۹۔ طبری/ ج۲، ص۳۳۵۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۷۹

۶۲۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲۔ ابن سعد/ ج۱، ص۲۰۸۔ ۲۱۰۔ بلاذری/ ج۱، ص۲۲۹۔ طبری/ ج۲، ص۳۳۶۔ ۳۳۱، ۳۳۴

۶۲/ الف۔ القرآن، المائدہ، آیت ۶۷۔

۶۳۔ سہیلی/ ج۱، ص۲۳۲۔ سیرۃ النبی/ ج۱، ص۲۴۹

۶۴۔ بخاری/ ج۱، ص۵۱۳، ۵۴۶۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۱۸۔ ۱۲۰

۶۴ الف۔ القرآن، سورہ بقرہ، آیت ۲۱۱

۶۵۔ ابن سعد/ ج۱، ص۱۲۵۔ طبری/ ج۲، ص۳۴۳، ابن اثیر/ ج۲، ص۶۳۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۲۲۔ سہیلی/ ج۱، ص۲۵۸۔ بلاذری/ ج۱، ص۲۳۶۔

۶۶۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۵۸۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۶۳۔ ابن سعد/ ج۱، ص۱۲۵۔ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کی تاریخوں میں سخت اختلاف ہے جو بات متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں نے ۱۰ نبوی میں شعب ابی طالب کے حصار کے بعد انتقال کیا۔

۶۷۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۳۲

۶۸۔ بخاری/ ج۱،ص۵۵۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۳۰۔۱۳۳
۶۹۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۱۱،۲۱۲۔طبری/ ج۲،ص۳۴۴۔
۷۰۔ طبری/ ج۲،ص۳۴۸۔ابن اثیر/ ج۲،ص۶۴
۷۱۔ طبری/ ج۲،ص۳۴۸ وبعد۔ابن اثیر/ ج۲،ص۶۵،۶۶۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۳۸

۴۔واقعہ اسراء ومعراج

۱۔ القرآن،سورۂ اسراء،آیت۱
۲۔ راغب اصفہانی،مفردات القرآن مطبوعہ اصح المطابع، کراچی (س ن)/ص۲۳۱و۳۲۹۔بخاری/ ج۱،ص۵۰۔مسلم/ ج۱،ص۹۳سہیلی/ ج۱،ص۲۴۲۔سیرۃ النبی/ ج۳،ص۴۰۳،۴۰۷۔
۳۔ القرآن،الانعام،آیت۷۵،الاعراف،آیت۱۴۳
۴۔ بخاری/ ج۱،ص۵۴۸،۵۵۰۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۱۳تا۲۱۴۔بلاذری/ ج۱،ص۲۵۵،۲۵۷۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۰۸و۱۰۹۔زادالمعاد/ ج۲،ص۴۹۔سیرت النبی/ ج۳،ص۴۱۲تا۴۷
۵۔ سیرۃ النبی/ ج۳،ص۴۱۳،۴۱۵
۶۔ بخاری/ ج۱،ص۵۰،۵۱،۴۵۵،۴۵۶،۴۷۱،۵۴۸،۵۵۰۔مسلم/ ج۱،ص۹۱تا۹۳،۹۷۔ابن ہشام/ ج۱،ص۴۴۲۔وبعد
۷۔ بخاری/ ج۱،ص۵۴۸۔مسلم/ ج۱،ص۹۶۔ابن ہشام/ ج۱،ص۴۴۷۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۱۵۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۱۳۔زادالمعاد/ ج۲،ص۴۸۔
۸۔ القرآن،سورۂ اسراء،آیت۶۰
۹۔ بخاری/ ج۱،ص۵۰۵۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۱۵۔سہیلی/ ج۱،ص۲۴۳۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۱۳،۱۱۷۔زادالمعاد/ ج۲،ص۴۸،۴۹۔نووی۔شرح مسلم/ ج۱،ص۹۱۔سیرۃ النبی/ ج۳،ص۴۳۴و۴۳۵
۱۰۔ سیرۃ النبی/ ج۳،ص۴۴۳
۱۱۔ القرآن،سورۂ بنی اسرائیل،آیت۱۔ابن کثیر/ ج۳،ص۳۱۴
۱۲۔ حجۃ اللہ البالغہ/ ج۲،ص۲۰۶و۲۰۷۔
۱۳۔ القرآن،سورۂ بنی اسرائیل،آیت۲۲،۳۹۔سیرت النبی/ ج۳،ص۴۶۷تا۴۷۲۔سیرت سرورِ عالم/ ج۲،ص۶۶۲۔۶۶۷۔تفسیر تفہیم القرآن/ ج۲،ص۶۰۸،۶۱۷
۱۴۔ القرآن،سورۂ اسراء،آیت۸۰
۱۵۔ ابوعیسیٰ ترمذی،جامع الترمذی،مطبوعہ نور محمد کراچی (س،ن)/ص۴۴۸۔
۱۶۔ ابوعبدالرحمان احمد النسائی،سنن النسائی،مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی۱۳۱۵ھ/ ج۱،ص۷۸۔

۱۷۔ بخاری/ ج۱، ص۵۵۱، ۵۵۳۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۶۸

۵۔ اوس اور خزرج کا اسلام:

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (اردو) لاہور۱۹۸۴ء/ ج۲۰، ص۳۲۸۔ ارض القرآن/ ج۱، ص۹۸، ۹۹۔ Hitti.P 104۔ نبی رحمت/ ج۱، ص۱۸۱

۲۔ نبی رحمت/ ج۱، ص۱۷۲، ۱۸۰۔ سہیلی/ ج۲، ص۴۳۔ بلوغ الارب/ ج۲، ص۲۴۱۔ الفصل فی الملل والاہواء والنحل/ ج۱، ص۹۹۔

۳۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیات۸۴، ۸۵۔ ابن ہشام/ ج۲، ص۱۳۱۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۹۷، ۱۱۹، و۱۲۷۔ سیرت النبی/ ج۱، ص۲۰۲، ۲۰۳۔ نبی رحمت/ ج۱، ص۱۷۲، ۱۷۸۔

۴۔ القرآن، سورۃ الحشر، آیت۲

۵۔ طبری/ ج۲، ص۴۸۷، ۵۵۱، ۵۸۱۔ ابن اثیر/ ج۳، ص۹۹، ۱۱۹، ۱۲۷، ۱۵۰۔ سیرت النبی/ ج۱، ص۲۰۸

۶۔ القرآن، سورۃ الانفال، آیت۱۰

۷۔ سہیلی/ ج۱، ص۲۶۶۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۴۰۰، ۴۰۲

۸۔ بخاری/ ج۱، ص۴۹۷۔ البدء والتاریخ/ ج۴، ص۱۲۲، ۱۲۳۔ (لابی طاہر المقدسی المنسوب الی ابی زید البلخی) مطبوعہ لائیڈن۔ ارض القرآن/ ج۲، ص۸۸، ۱۰۱

۹۔ المعارف/ ص۴۹، ۵۰۔ ارض القرآن/ ج۲، ص۹۷، ۹۸۔

۱۰۔ القرآن، آل عمران، آیت۱۰۳

۱۱۔ ابن اثیر/ ج۱، ص۴۰۲، ۴۲۰

۱۲۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۴۸، ۱۵۷۔ نبی رحمت/ ج۱، ص۱۸۶، ۱۸۸

۱۳۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۶۷۔ طبری/ ج۲، ص۳۵۴۔ زادالمعاد/ ج۲، ص۵۰

۱۴۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۱۶۷۔ سہیلی/ ج۱، ص۱۶۶۔ ابن سعد/ ج۱، ص۲۱۸ و۲۱۹۔ بلاذری/ ج۱، ص۲۳۹۔ طبری/ ج۲، ص۳۵۴ و۳۵۵۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۶۷۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۴۸ و۱۴۹۔ زادالمعاد/ ج۲، ص۵۰۔

۱۵۔ سیرت النبی/ ج۱، ص۲۶۶۔۲۶۸ (حاشیہ زیریں)

۱۶۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۶۷ و۲۶۸۔ ابن سعد/ ج۱، ص۲۲۰۔ بلاذری/ ج۱، ص۲۳۹۔ طبری/ ج۲، ص۳۵۵، ۳۵۶۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۶۷۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۵۰ وبعد

۱۷۔ بخاری/ ج۱، ص۵۵۰، ۵۵۱۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۶۸۔ ابن اثیر/ ج۲، ص۶۶، ۶۷۔ ابن کثیر/ ج۳، ص۱۵۰، ۱۵۱۔

۱۸۔ ابن ہشام/ ج۱، ص۲۷۰۔ سہیلی/ ج۱، ص۲۶۹۔ بلاذری/ ج۱، ص۲۳۹۔ طبری/ ج۲، ص۳۵۷۔ ابن اثیر/

ج۲،ص۶۸۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۵۱

۱۹۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۲۷۳۔۲۷۵۔طبری/ ج۲،ص۳۶۰،۳۶۸۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۱،۲۲۲۔بلاذری/ ج۱،ص۲۴۰،۲۵۱۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۵۸،۱۶۴۔زادالمعاد/ ج۲،ص۵۱

۲۰۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۲۸۰۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۱،۲۲۲۔بلاذری/ ج۱،ص۲۴۰،۲۵۳۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۶۶۔۱۶۸

۲۱۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۲۷۶۔۲۷۸۔بلاذری/ ج۱،ص۲۵۲۔ابن اثیر/ ج۲،ص۶۹،۷۰

۲۲۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۳،بلاذری/ ج۱،ص۲۵۴۔ابن اثیر/ ج۲،ص۷۰۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۶۵۔زادالمعاد/ ج۲،ص۵۱،۵۲۔

۶۔ہجرت مدینہ:

۱۔ راغب اصفہانی،مفردات القرآن/ ص۵۳۷،

۲۔ القرآن،سورۂ عنکبوت/ ۲۶

۳۔ القرآن،سورۃ الحشر،۸

۴۔ القرآن،سورۃ النساء/ ۱۰۰

۵۔ القرآن،سورۃ النساء،آیت ۹۷

۶۔ القرآن،سورۃ الانفال،۷۵

۷۔ بخاری/ ج۱،ص۵۵۱،۵۵۲۔زادالمعاد/ ج۲،ص۷۰۔امام رازی،التفسیر الکبیر،الجزء الخامس عشر بضمن تفسیر القرآن،سورۃ الانفال،آیت ۷۲،۷۴۔

۸۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی/ ص۲۷۱،۲۷۲

۹۔ مرتضی زبیدی،تاج العروس من جواہر القاموس،مطبعہ حکومت الکویت ۱۹۷۴ء،الجزء الرابع عشر ص۳۹۶ تا ۴۱۱۔ زبیدی نے لسان العرب کے مکمل حوالے بھی درج کئے ہیں،اس لئے یہاں اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ القرآن،سورۂ عنکبوت،آیت ۵۶

۱۱۔ سیرت سرور عالم/ ج۲،ص۵۶۳،۵۶۶

۱۲۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۲۸۴،۲۹۰۔ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۵،۲۲۶۔بلاذری/ ج۱،ص۲۵۷۔۲۵۹۔طبری/ ج۲،ص۲۶۶،۲۶۹۔ابن اثیر/ ج۲،ص۷۱۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۶۹،۱۷۴۔زادالمعاد/ ج۲،ص۵۲۔

۱۳۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۲۸۴۔سہیلی/ ج۱،ص۱۸۴و۱۸۵۔بلاذری/ ج۱،ص۱۵۸،۱۵۹۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۶۹،۱۷۰۔

۱۴۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۴۸۹۔بلاذری/ ج۱،ص۱۸۲۔ابن کثیر/ ج۳،ص۱۷۳،۱۷۴۔

۱۵۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۳۸۸۔ سہیلی/ ج،ص۲۸۸۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۷۲۔ اسد الغابہ/ ج۳،ص۱۸۰،۱۸۱۔

۱۶۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۴۹۰۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۵۹۔ طبری/ ج۲،ص۳۷۰۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۸۵

۱۷۔ القرآن، سورۃ النحل، آیت ۳

۱۸۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۴۹۰،۴۹۲۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۵۹۔ طبری/ ج۲،ص۳۷۱،۳۷۳۔ ابن اثیر/ ج۲،ص ۷۱ و۷۲۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۷ و۲۲۸۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۷۶۔ زاد المعاد/ ج۲،ص۵۲

۱۹۔ القرآن، سورۃ الاسراء، آیت ۸۰

۲۰۔ بخاری/ ج۱،ص۵۵۳۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۴،۶۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۶۰ و۲۶۱۔ طبری/ ج۲،ص۳۷۵۔ ۳۷۸۔ ابن اثیر/ ج۲،ص۷۳۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۷۷،۱۸۰

۲۱۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۴،۵۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۹۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۷۹

۲۲۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت ۴۰

۲۳۔ بخاری/ ج۱،ص۵۱۶۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۴۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۹۔ ابن اثیر/ ج۲،ص۷۳۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۸۱،۱۸۳۔ زاد المعاد/ ج۲،ص۵۳۔

۲۴۔ بخاری/ ج۱،ص۵۱۵۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۵۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۲۹۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۸۷۔

۲۵۔ بخاری/ ج۱،ص۵۵۵،۵۵۶۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۶۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۳۲۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۶۳۔ ابن اثیر/ ج۲،ص۷۴۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۸۵ و۱۸۶۔

۲۶۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۶،۷۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۳۰۔ ۲۳۱۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۶۲۔ زاد المعاد/ ج۲،ص۵۳،۵۴

۲۷۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۱۰۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۳۳ و۲۳۴۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۶۳۔ زاد المعاد/ ج۲،ص۵۴۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۹۶،۱۹۷۔

۲۸۔ طبری/ ج۲،ص۳۹۲ و۳۹۳، سیرت سرورِ عالم/ ج۲،ص۷۳۶،۷۳۷۔

۲۹۔ بخاری/ ج۱،ص۵۵۵۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۱۰۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۳۵۔ ابن اثیر/ ج۲،ص۷۴۔

۳۰۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۸

۳۱۔ بخاری/ ج۱،ص۵۵۵۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۱۱۔ سہیلی/ ج۲،ص۱۱،۱۲۔ زاد المعاد/ ج۲،ص۵۵

۳۲۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۱۱،۱۳۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۳۶۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۶۶۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۹۸ و۱۹۹۔ زاد المعاد/ ج۲،ص۵۵۔

۳۳۔ ابن ہشام/ ج۲،ص۱۴۔ سہیلی/ ج۲،ص۱۴ و۱۵۔ بلاذری/ ج۱،ص۲۶۶ و۲۶۷۔ ابن سعد/ ج۱،ص۲۳۷۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۹۹ و۲۰۰۔ زاد المعاد/ ج۲،ص۵۵ و۵۶۔